لا تحقرن من المعروف شيئاً
نیکی کی کسی بات کو ہرگز حقیر نہ سمجھو (الحدیث)

آسان نیکیاں

مؤلّف

مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب

مکتبہ رحمانیہ ◎ اقراء سنٹر
غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحَمدُللّٰہ و کفی وَسَلام علی عبادہ الذین اصطفی

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس لئے پیدا فرمائی ہے کہ اس کے بندے یہاں رہ کر اپنے نیک اعمال کے ذریعے اپنی آخرت کا سامان کریں اور ایسے کام کریں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہو۔

لیکن ہم لوگ دنیا کے کاروبار میں لگ کر اپنی زندگی کے اس اصلی مقصد سے غافل ہو رہے ہیں۔ ہماری صبح سے لے کر شام تک کی زندگی اپنی دنیا کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور مزے دار بنانے کی دوڑ دھوپ میں صرف ہو رہی ہے۔ اور اس دوڑ دھوپ میں بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جنھیں اپنی آخرت کو بہتر بنانے کا خیال آتا ہو۔ حالانکہ یہ بات طے شدہ ہے جس سے کوئی دہریہ بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ایک دن اس دنیا سے جانا ہے اور جانے کا وقت بھی مقرر نہیں' خدا جانے کب بلاوا آجائے؟

اسلام نے آخرت کو بہتر بنانے کے لئے جو طریقے بتائے ہیں' درحقیقت وہ کچھ مشکل نہیں ہیں بلکہ اگر انسان ان طریقوں کو اختیار کرے تو اس کی دنیا بھی پُرسکون ہو جاتی ہے۔ لیکن آج کل ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ایک مشکل کام ہے جس کے لئے اپنے بہت سے دنیوی مفادات' بہت سی لذتیں اور بہت سا عیش و آرام قربان کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ اس مشکل کا تصور کر

کے اس راہ پر چند قدم چلنا بھی شروع نہیں کرتے۔

حالانکہ اول تو اسلامی احکام اپنی ذات میں مشکل نہیں ہیں اور جو اللہ کا بندہ ان پر عمل کرنا چاہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد بھی ہوتی ہے اور اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔

دوسرے اگر بالفرض کسی حکم پر عمل کرنے میں کچھ مشقت یا دشواری بھی ہو تو وہ دشواری آخرت کے ابدی اور سرمدی فائدوں کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ آخر ہر انسان روزی کمانے کے لئے محنت اٹھاتا ہی ہے اور اس محنت کو پسند بھی کرتا ہے۔ اس لئے کہ معلوم ہے کہ اس کے نتیجے میں روزی ملنے والی ہے۔ اسی طرح اگر اسلامی احکام پر عمل کرنے کے نتیجے میں آخرت کی وہ نعمتیں ملنے والی ہیں جن کا اس وقت ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تو اس عظیم مقصد کے لئے تھوڑی سی مشقت سے کیوں گھبراہٹ ہو؟

تیسری بات یہ ہے کہ اسلامی احکام اور تعلیمات میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن پر عمل کرنے میں کچھ تھوڑی بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت سے اعمال ایسے بتلائے ہیں جن پر عمل کرنے میں نہ کوئی خاص محنت کرنی پڑتی ہے۔ نہ بہت سا وقت صرف ہوتا ہے' نہ زیادہ پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ بس ذرا سے دھیان کی بات ہے' اگر انسان ذرا دھیان سے کام لے تو کسی خاص محنت یا خرچ کے بغیر اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اگر انسان ان اعمال کی پابندی کرے تو انشاء اللہ بیٹھے بٹھائے آخرت کا بہت سا ذخیرہ جمع کر سکتا ہے۔

نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اضافے کی آج ہمیں کما حقہ قدر و قیمت معلوم نہیں ہے۔ لیکن جس دن یہ آنکھیں بند ہوں گی' اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہو گی۔

اور حساب و کتاب کا مرحلہ پیش آئے گا۔ اس دن پتہ چلے گا کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی کیا قیمت ہے؟ وہاں کا سکہ روپیہ پیسہ نہیں ہے وہاں سونا چاندی کام آنے والا نہیں ہے۔ وہاں کا سکہ تو یہی نیکیاں ہوں گی اور یہی سوال ہوگا کہ اپنے دامن میں کتنی نیکیاں لے کر آئے ہو؟ اس وقت اگر دامن خالی ہوا تو حسرت اور ناقابل برداشت حسرت ہوگی کہ ہم نے دنیا میں رہتے ہوئے اپنے نامۂ اعمال میں اضافہ کیوں نہ کر لیا؟ لیکن عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوگا اس لئے یہ حسرت کچھ کام نہیں آسکے گی۔

حضرات صحابہ کرامؓ جن کو ان نیکیوں کی قدر و قیمت معلوم تھی وہ ان نیک کاموں کے حریص تھے جہاں کسی عمل کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں فوراً اس پر عمل شروع کر دیا اور جس عمل کا ثواب ہونا انہیں دیر سے معلوم ہوتا۔ اس پر افسوس کا اظہار کرتے کہ یہ بات ہمیں پہلے معلوم نہ ہوئی ورنہ ہم پہلے سے اس نیکی کو معمول بناتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی کہ جو شخص کسی جنازے کی نماز پڑھے۔ اس کو ایک قیراط[1] ثواب ملتا ہے اور جو میت کے دفن ہونے تک جنازے کے پیچھے جائے اسے دو قیراط ملتے ہیں جن میں سے ایک احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی تصدیق فرمائی تو حضرت ابن عمرؓ نے بے ساختہ فرمایا۔ کہ ہم نے بہت سے قیراط بلاوجہ ضائع کر دیئے۔ (جامع ترمذی)

غرض یہ کہ ہر وہ نیک کام جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب بنے بڑی قابل

---

[1] قیراط ایک پیمانہ ہے جس سے سونا چاندی تولے جاتے تھے۔

قدر چیز ہے اور دنیا میں رہ کر ہی اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور خاص طور سے ایسے نیک کام جنہیں انجام دینے میں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔ انھیں صرف بے پرواہی اور غفلت کی وجہ سے چھوڑ دینا تو اتنے گھاٹے کا سودا ہے کہ آخرت میں اس کی حسرت ناقابل برداشت ہوگی۔

لہٰذا خیال آیا کہ ایک مختصر رسالے میں ایسی آسان نیکیوں کی ایک فہرست جمع کر دی جائے جن کو انجام دینے میں کوئی خاص محنت خرچ ہوتی ہے نہ کوئی خاص وقت لگتا ہے۔ بس ذرا سی توجہ کے ذریعے انسان کے نامۂ اعمال میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ ان زرّیں اعمال کو غور اور جذبے کے ساتھ پڑھیں اور ان کو اپنی زندگی کے معمولات میں شامل فرمائیں، کیا بعید ہے کہ یہی بظاہر چھوٹے چھوٹے اعمال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہماری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بنا دیں اور ان کے ذریعے ہمارا بیڑا پار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے احقر کو اور سب مسلمانوں کو ان پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ان کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ہماری عاقبت بخیر فرما دیں۔ آمین ثم آمین

احقر
محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند ضروری باتیں

اس کتاب میں ان اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی انجام دہی میں کوئی خاص مشقت یا محنت اٹھانی نہیں پڑتی۔ لیکن ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان آسان نیکیوں پر عمل کرنے اور انہیں آخرت کا ذخیرہ بنانے کا داعیہ دلوں میں پیدا ہو۔ لیکن اس کتاب کو پڑھتے وقت مندرجہ ذیل باتیں ذہن نشین کرنی ضروری ہیں۔

۱۔ اس کتاب کا موضوع چونکہ صرف ان نیکیوں کا بیان ہے جو نہایت آسان ہیں اور ہر شخص انہیں کسی خاص مشقت کے بغیر فوراً شروع کر سکتا ہے اس لئے اس میں فرائض و واجبات اور دوسرے بہت سے ضروری اعمال کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دین صرف ان اعمال پر منحصر نہیں ہے جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔ دین کے احکام زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں، اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تمام ارکان، فرائض اور واجبات کو بجالائے اور گناہوں سے پرہیز کرے۔ لیکن اس کتاب کے دو مقصد ہیں۔

ایک مقصد تو یہ ہے کہ جو حضرات پہلے سے فرائض و واجبات کا اہتمام کرتے ہیں ان کو مزیداً ایسے اعمال کی ترغیب دی جائے جو ان کے نامۂ اعمال میں بآسانی بیش قیمت اضافہ کر سکیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ جو حضرات دین کو مشکل سمجھ کر اس سے

بالکل غافل ہو بیٹھے ہیں ان کو ایسے آسان اعمال کی ترغیب دی جائے جن کو شروع کرنا کچھ مشکل نہیں ہے اور وہ ان آسان اعمال سے دین کی طرف پیش قدمی کا فوراً آغاز کر سکتے ہیں اور امید یہ ہے کہ اگر ان آسان اعمال کی انہوں نے پابندی کر لی تو انشاء اللہ ان کے دل میں رفتہ رفتہ دین کے تمام احکام پر عمل کی رغبت پیدا ہو گی اور بالآخر مکمل دینی زندگی کو اپنانا ان کے لئے آسان ہو جائے گا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کتاب میں جگہ جگہ ایسی احادیث درج ہیں جن میں بعض آسان اعمال پر گناہوں کی مغفرت کے وعدے کئے گئے ہیں ایسی احادیث کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ نیک اعمال سے جو گناہ خود بخود معاف ہو جاتے ہیں ان سے مراد گناہِ صغیرہ ہیں۔ جہاں تک گناہ کبیرہ کا تعلق ہے وہ قاعدے سے توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ.

''اگر تم ان بڑی بڑی چیزوں سے پرہیز کرو جن سے تم کو روکا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا کفارہ کرتے رہیں گے۔''

اسی طرح وہ گناہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک یا تو حقدار کو اس کا حق پہنچا نہ دیا جائے یا حقدار اس کو معاف نہ کر دے۔

لہٰذا اس کتاب میں مختلف نیکیوں کے تحت جو گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ خواہ کسی قسم کے کتنے ہی گناہ کرتا رہے توبہ کے بغیر بھی چند آسان اعمال کے ذریعے وہ ان کو معاف کراتا رہے گا۔

دراصل جس ماحول میں آنحضرت ﷺ نے مختلف نیکیوں پر گناہوں کی

معافی کا ذکر فرمایا ہے وہاں یہ تصور مشکل ہی سے آتا تھا کہ کوئی مومن کسی کبیرہ گناہ میں ملوث ہوگا اور اس سے توبہ نہیں کرے گا۔ لہٰذا لوگوں کے زیادہ تر گناہ صغیرہ ہوتے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان ہی کی معافی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے گناہِ کبیرہ کی سنگینی اور توبہ کی ضرورت و اہمیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

۳۔ ان دو باتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی نہ بھولنا چاہیے کہ:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا

"نیکی کی کسی بات کو ہرگز حقیر نہ سمجھو۔"

لہٰذا شیطان کے اس دھوکے میں کبھی نہ آنا چاہیے کہ اگر ہم دین کے بڑے بڑے کام کرنے سے محروم ہیں تو یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہمیں کیا فائدہ پہنچا سکیں گی؟ واقعہ یہ ہے کہ نیکی کا کوئی عمل چھوٹا نہیں ہے اور جس وقت جس نیکی کی توفیق ہو جائے اسے غنیمت سمجھ کر ضرور کر لینا چاہیے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیکی کو قبول فرمالیں تو اس کی برکت سے ہماری باقی زندگی بھی درست ہو جائے۔

اس جذبے اور اس اعتدالِ فکر کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی بارگاہ میں اس کو قبول فرمائیں اور دین کے تمام احکام پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین

(۱) اچھی نیت: نیت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو وہ نسخہ کیمیا عطا فرمایا ہے جس کے ذریعے ہر مسلمان ذرا سی توجہ سے مٹی کو بھی سونا بنا سکتا ہے۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

بعض لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اچھی نیت سے غلط کام بھی ٹھیک ہو جاتا ہے اور گناہ بھی ثواب بن جاتا ہے یہ بات تو قطعی غلط ہے۔ گناہ ہر حالت میں گناہ ہے۔ کتنی ہی اچھی نیت سے کیا جائے وہ جائز نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی شخص کسی کے گھر اس نیت سے چوری کرے کہ جو مال حاصل ہو گا وہ صدقہ کروں گا تو اس نیت کی وجہ سے چوری کا گناہ معاف نہیں ہو گا۔

لیکن آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ:

① ۔کسی بھی نیک کام پر اس وقت تک ثواب نہیں ملتا جب تک صحیح نیت کے ساتھ نہ کیا جائے۔ مثلاً نماز کا ثواب اس وقت ملے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے پڑھی جائے۔ اگر دکھاوے کے لئے پڑھی تو ثواب غارت ہو جائے گا' الٹا گناہ ہو گا۔

② ۔اور دوسرا مطلب یہ ہے اور یہی اس وقت بیان کرنا مقصود ہے کہ جتنے کام مباح یا جائز ہیں۔ ان کا اصل حکم تو یہ ہے کہ ان پر نہ ثواب ہوتا ہے نہ عذاب۔ لیکن اگر وہ جائز کام کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ عبادت بن جاتے ہیں اور ان پر ثواب ملتا ہے۔ مثلاً کھانا کھانا مباحات میں سے ہے لیکن اگر کوئی کھانا اس نیت سے کھائے کہ اس کے ذریعے میرے جسم کو قوت حاصل ہو گی تو اس قوت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کروں گا۔ تو یہ کھانا کھانا بھی باعث اجر و ثواب ہو ہو گا یا اس نیت سے کھانا کھائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس کا بھی مجھ پر حق رکھا ہے۔ اس کی ادائیگی کے لئے کھانا کھاتا ہوں یا اس نیت سے کھائے کہ اس سے لذت و راحت حاصل ہو گی تو دل

سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا تو ان نیتوں کے ساتھ کھانا کھانے میں بھی ثواب ہوگا۔

غرض زندگی کا کوئی مباح کام ایسا نہیں ہے جس کو اچھی نیت کر کے عبادت اور موجب ثواب نہ بنایا جا سکتا ہو۔ مثلاً اچھی نیت کی چند مثالیں جن سے ہم اپنے روزمرہ کے کاموں کو ثواب بنا سکتے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

⊙ روزی کمانا، خواہ تجارت کی شکل میں ہو یا ملازمت کی شکل میں یا زراعت وصنعت کی شکل میں اس میں اگر انسان یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے جو میرے نفس اور میرے گھر والوں کے حقوق عائد کئے ہیں۔ یہ کمائی اس لئے کر رہا ہوں کہ وہ حقوق ٹھیک ادا کر سکوں، تو حلال روزی کمانے کی یہ ساری کارروائی عبادت اور ثواب بن جائے گی۔

پھر اس میں اگر یہ نیت بھی کر لے کہ اپنی آمدنی کو اپنی اور گھر والوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے گا اس میں سے غریبوں کی امداد اور دوسرے نیک کاموں پر خرچ کروں گا تو اس نیت سے مزید ثواب ملے گا۔

⊙ اگر ایک شخص ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور وہ نیت یہ کر لے کہ میں اس علم کے ذریعے خدمت خلق کروں گا۔ مثلاً کوئی علم دین حاصل کر رہا ہے تو مخلوق کو دین پہنچانے کی نیت کر لے۔ میڈیکل سائنس کا طالب علم ہے تو یہ نیت کرے کہ ڈاکٹری کے ذریعے میں مریضوں کی خدمت کروں گا، انجینئرنگ کا طالب علم ہے تو یہ نیت کرے کہ میں اس فن سے ملک وقوم کی خدمت کروں گا، کوئی اور ہنر سیکھ رہا ہے تو اس غرض سے سیکھے کہ جو لوگ اس ہنر کے ضرورت مند ہوں گے۔ ان کی حاجت پوری کروں گا تو انشاء اللہ جتنا وقت وہ تعلیم حاصل کرنے میں گذارے گا۔ اس کو اس نیت کا ثواب ملتا رہے گا۔

⊙ پھر انسان جو بھی پیشہ اختیار کرے اس میں یہ سوچے کہ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ملے گا اور اس کو حاصل کرنے کے بہت سے راستے ہیں۔ لیکن میں فلاں راستہ اس لئے اختیار کر رہا ہوں کہ اس کے ذریعے مخلوق خدا کی خدمت کروں تو یہ پیشہ بھی باعث اجر ہو جائے گا۔

مثلاً کوئی شخص ڈاکٹر بنتا ہے تو یہ نیت کر لے کہ رزق کے بہت سے راستوں میں سے یہ راستہ میں نے اس لئے منتخب کیا ہے کہ اس کے ذریعے تکلیف میں مبتلا لوگوں کی مدد ہوگی تو خواہ وہ مریضوں سے جائز اور مناسب اجرت وصول کرے تب بھی انشاء اللہ اس نیت کا ثواب ملے گا اور جب واقعۃً یہ نیت ہوگی تو ظاہر ہے کہ ایسے مواقع بھی آئیں گے جب وہ کسی شخص کو غریب دیکھے تو اس کا علاج بلا معاوضہ یا بہت رعایتی معاوضے پر کرے۔

کوئی شخص مثلاً کپڑے کی تجارت کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ نیت کر لے کہ ہر انسان کے ذمے شرعاً لباس پہننا واجب ہے۔ میں بہت سے پیشوں میں سے اس پیشے کا انتخاب اس لئے کر رہا ہوں کہ اس کے ذریعے مخلوق کو اس واجب کی ادائیگی میں مدد دوں گا تو امید ہے کہ انشاء اللہ یہ پیشہ بھی باعث اجر ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص سرکاری ملازم ہے تو وہ اپنی ملازمت میں یہ نیت کرے کہ اس کے ذریعے مخلوق کی ضروریات پوری کرنے کا موقع ملے گا تو خواہ وہ یہ کام تنخواہ لے کر کر رہا ہو۔ انشاء اللہ اس نیت کا ثواب ملے گا۔ غرض کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی اچھی نیت نہ کی جا سکتی ہو۔

⊙ اسی طرح اچھا لباس اس لئے پہنا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس کا اثر نظر آئے اور دیکھنے والوں کو فرحت ہو (نہ یہ کہ وہ مجھے بڑا یا

دولت مند سمجھیں)

⊙ اپنے بچوں سے اس نیت سے پیار کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت یہ ہے کہ آپؐ بچوں سے محبت فرماتے تھے۔

⊙ گھر کا کام اس نیت سے کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو گھر کے کاموں میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

⊙ بیوی بچوں سے خوش طبعی کی باتیں اس نیت سے کی جائیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی سنت ہے اور آپؐ نے ان سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

⊙ مہمانوں کی خاطر مدارت اس غرض سے کی جائے کہ مہمان کا اکرام سنت ہے اور مومن کے حقوق میں سے ہے۔

⊙ گھر میں کوئی پودا یا درخت لگانا ہو تو اس نیت سے لگایا جائے کہ اس سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ پہنچے گا اور دیکھنے والوں کو اس کا منظر اچھا معلوم ہوگا تو ان کو اس سے خوشی ہوگی۔

⊙ اپنی تحریر کو اس نیت سے صاف اور خوبصورت بنانے کی کوشش کی جائے کہ پڑھنے والوں کو سہولت ہوگی۔

⊙ عورت جائز زیب وزینت اس لئے کرے کہ شوہر کو خوشی حاصل ہوگی اور مرد اس نیت سے صاف ستھرا رہے کہ بیوی کو مسرت اور راحت ملے گی۔

⊙ جائز تفریحات بقدر ضرورت اس غرض سے کی جائیں کہ ان سے فرائض کی ادائیگی میں چستی اور نشاط پیدا ہوگا۔

⊙ گھڑی اس نیت سے رکھی جائے کہ اس کے ذریعے نماز کے اوقات کا علم ہوگا اور وقت کی قدر و قیمت پہچان کر اسے اچھے کاموں میں صرف کروں گا۔

غرض یہ تو چند متفرق اور سرسری مثالیں ہیں۔ ورنہ جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بجا طور پر فرمایا ہے۔ انسان کی زندگی کا کوئی جائز کام ایسا نہیں ہے جسے کوئی نہ کوئی اچھی نیت کر کے ثواب کا کام نہ بنایا جاسکے۔ یہاں تک کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے سے اگر اس نیت سے لذت حاصل کریں کہ ایک دوسرے کا حق ادا کر رہے ہیں اور اس سے دونوں کو عفت اور پاک دامنی حاصل ہوگی تو اس عمل پر بھی ثواب لکھا جاتا ہے۔

(۲) دعا: اللہ تعالیٰ کو بندوں کا دعا کرنا بہت پسند ہے۔ دنیا میں کسی شخص سے بار بار کچھ نہ کچھ مانگا جاتا رہے تو چاہے وہ کتنا بڑا سخی ہو بالآخر اکتا کر ناراض ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ ان سے بندہ جتنا زیادہ مانگے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اتنے ہی زیادہ خوش ہوں گے بلکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانگتا نہیں اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ دعا اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے بلکہ وہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یعنی دعا خواہ اپنے ذاتی اور دنیاوی مقصد کے لئے مانگی جائے وہ بھی عبادت شمار ہوتی ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے۔ اور جتنی زیادہ دعا مانگی جائے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف تنگی اور مشکلات کے وقت ہی دعا مانگی جائے بلکہ خوشحالی اور مسرتوں کے وقت بھی دعائیں مانگتے رہنا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ مصائب اور تنگیوں کے وقت اس کی دعائیں قبول ہوں تو اسے چاہیے کہ خوش حالی کے وقت دعا کی کثرت کرے۔

(جامع الاصول بحوالہ ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے کہ ''مجھ سے دعا کرو میں قبول

کروں گا۔" اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ غلط نہیں ہوسکتا' اس لئے اس یقین کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے کہ وہ ضرور قبول ہوگی۔ البتہ قبولیت کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض اوقات وہی چیز مل جاتی ہے جو مانگی گئی تھی اور بعض اوقات وہ چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں بندے کے لئے مناسب یا فائدہ مند نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اور مفید چیز دنیا یا آخرت میں عطا فرما دیتے ہیں۔ اس طرح ہر دعا کے تین فائدے ہیں۔

1۔ دعا کی قبولیت سے مرادیں پوری ہوتی ہیں۔
2۔ ہر دعا پر ثواب ملتا ہے۔
3۔ دعا کی کثرت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔

پھر اگرچہ دعا مانگنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ قبلہ رو ہاتھ اٹھا کر زبان سے دعا مانگی جائے اور پہلے حمد و ثنا اور درود شریف پڑھا جائے لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو تو اس کے بغیر بھی دعا کرنا جائز ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے دعا کو اتنا آسان فرما دیا ہے کہ وہ تقریباً ہر وقت اور ہر جگہ مانگی جا سکتی ہے۔ چلتے پھرتے بھی' کام کرتے ہوئے بھی اور اگر زبان سے مانگنے کا موقع نہ ہو (مثلاً بیت الخلاء وغیرہ میں) تو دل ہی دل میں بھی مانگی جاسکتی ہے۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ دعا میں بڑی بڑی چیزیں مانگی جائیں بلکہ اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیے یہاں تک کہ حدیث میں ہے کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ (ترمذی)

لہٰذا اس بات کی عادت ڈال لینی چاہیے کہ جب کوئی چھوٹی سے چھوٹی حاجت بھی پیش آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے' کوئی معمولی سے معمولی تکلیف ہو تو اس کا ازالہ بھی اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جائے۔ جس طرح بچے کو جب کوئی

ضرورت پیش آتی ہے یا کوئی ادنیٰ تکلیف پہنچتی ہے وہ اپنی ماں کو پکارتا ہے اسی طرح بندے کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے اور پکارتا رہے۔ چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' کام کرتے ہر وقت کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔ عادت ڈال کر دیکھیں' انشاء اللہ اس سے بہت جلد ترقی ہوگی۔

(۴) مسنون دعائیں: یوں تو ہر حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیے۔ لیکن سرورِ دو عالم ﷺ نے دن رات کے مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر کچھ خاص خاص دعائیں سکھائی ہیں مثلاً نیند سے بیدار ہو کر کیا دعا کریں؟ بیت الخلا میں جانے سے پہلے کیا کہیں؟ وہاں سے باہر نکل کر کیا پڑھیں؟ وضو کرتے وقت' مسجد میں داخل ہوتے وقت' مسجد سے نکلتے وقت' گھر میں داخل ہوتے وقت' کھانا کھانے سے پہلے' کھانے کے بعد' اذان سننے کے بعد' کپڑے پہنتے وقت' آئینہ دیکھتے وقت' بستر پر پہنچ کر سونے سے پہلے غرض مختلف مواقع پر مختلف دعائیں سکھائی ہیں۔ جو ہمارے دین و دنیا کی تمام ضرورتوں کے لئے انتہائی جامع اور مفید دعائیں ہیں۔ اگر ہم ساری عمر سوچتے رہیں تب بھی ایسی دعائیں خود سے نہ مانگ سکیں جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے سکھا دی ہیں۔

ان دعاؤں کے پڑھنے میں نہ کوئی وقت صرف ہوتا ہے نہ محنت لگتی ہے۔ نہ ان کے لئے وضو شرط ہے نہ ہاتھ اٹھانے چاہئیں۔ بس اگر ان دعاؤں کو یاد کر لیا جائے تو ذرا سے دھیان کی بات ہے اور اس معمولی سی توجہ کے نتیجے میں دنیا و آخرت کے عظیم مقاصد اور فوائد حاصل ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی خاص محنت کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے ذخیرے جمع ہوتے چلے جاتے ہیں۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ یہ دعائیں ضرور یاد کر لے۔ بہت سی کتابیں ایسی

ہیں جن میں یہ دعائیں لکھی ہوئی ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ کی کتاب ''مناجات مقبول'' میں بھی ایسی بیشتر دعائیں جمع کی گئی ہیں۔ اس میں دیکھ کر یہ دعائیں یاد کی جاسکتی ہیں، خود بھی یاد کریں اور بچوں کو بھی یاد کرا کر بچپن میں ان کا عادی بنائیں تو انشاء اللہ ان کی دعاؤں کا ثواب بھی ملے گا۔

دوسروں کے لیے دعا: جس طرح اپنی حاجتوں کے لئے دعا مانگنی چاہیے۔ اسی طرح اپنے دوسرے اعزہ واقربا، دوست واحباب اور عام مسلمانوں کے لئے دعا مانگنا بھی بہت فضیلت کی چیز ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''جو مسلمان بندہ اپنے کسی بھائی کے لئے اس کی غیر موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتے اس کے حق میں یہ دعا کرتے ہیں تم کو بھی ویسی ہی بھلائی ملے۔'' (صحیح مسلم)

لہٰذا جس کسی مسلمان کے بارے میں علم ہو کہ وہ کسی مشکل میں ہے یا اس کو پریشانی لاحق ہے یا کوئی ضرورت پیش آگئی ہے اس کے حق میں دعا کرنی چاہیے۔ بلکہ کافروں کے حق میں بھی دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت عطا فرمائیں۔ اس سے دعا کا ثواب بھی ملتا ہے اور دوسروں کی خیر خواہی کی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے۔

(۴) استغفار: اللہ تعالیٰ نے استغفار کو گناہوں کے زہر کا تریاق بنایا ہے۔ استغفار کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا۔ ہر بدسے بدتر گناہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہو توبہ اور استغفار سے معاف ہو جاتا ہے لہٰذا جب کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ سرزد ہو فوراً توبہ اور استغفار سے اس کی تلافی کرنی چاہئے بلکہ خلاف اولیٰ امور پر بھی استغفار کرنا چاہیے اور بظاہر کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو تب بھی استغفار کثرت سے کرتے رہنا چاہیے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ گناہوں سے بالکل معصوم اور پاک تھے۔ اس

کے باوجود آپؐ فرماتے ہیں کہ ''میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ ستر سے زائد مرتبہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔'' (بخاری)

ایک حدیث میں سرورِ دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ''جو شخص استغفار کی پابندی کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی میں آسانی کی راہ نکال دیتے ہیں اور ہر غم کو دور فرماتے ہیں اور اس کو ایسی جگہوں سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ (ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب الاستغفار)

لہٰذا چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے بھی استغفار کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے اور دن میں کم از کم ایک مرتبہ استغفار کی ایک تسبیح پڑھ لی جائے تو بہت اچھا ہے۔

سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَار

استغفار ہر زبان میں ہو سکتا ہے لیکن اس کا مختصر عربی جملہ یہ ہے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ.

میں اللہ تعالیٰ اپنے پروردگار سے ہر گناہ کی مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

لیکن حدیث میں استغفار کی ایک مخصوص دعا کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں اور اسے ''سید الاستغفار'' (استغفار کا سردار) قرار دیا گیا ہے۔ وہ استغفار یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ وَ اَنَا عَلٰی عَهْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ اِلَیْکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ لَکَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.

یا اللہ! آپ میرے پروردگار ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ

نے مجھے پیدا کیا۔ میں آپ کا بندہ ہوں اور میں حتی الوسع آپ سے کئے ہوئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں' میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں' آپ نے جو نعمتیں مجھ کو عطا فرمائیں' انہیں لے کر آپ سے رجوع کرتا ہوں اور اپنے گناہ سے بھی آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں لہٰذا میرے گناہ معاف فرما دیجئے کیوں کہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ کلمات پورے یقین کے ساتھ صبح کے وقت کہے اور شام سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو وہ جنتیوں میں شمار ہوگا اور جو شخص یہ کلمات رات کے وقت پورے یقین کے ساتھ کہے اور صبح سے پہلے مر جائے تو وہ اہل جنت میں سے ہے۔ (صحیح بخاری' باب افضل الاستغفار)

خاص طور سے رات کو سونے سے پہلے چند بار حضورِ قلب کے ساتھ اپنے دن بھر کے اعمال کی کوتاہیوں کا اجمالی تصور کر کے ان سب سے استغفار کر لینا چاہئے۔

(۵) ذکر اللہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ایسی لذیذ اور آسان عبادت ہے کہ اسے انسان معمولی سی توجہ سے ہر وقت انجام دے سکتا ہے اور اس کے فضائل اور فوائد بے شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اپنا ذکر کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا.

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔

ظاہر ہے کہ ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں' وہ بندوں کے ذکر سے بے نیاز ہے لیکن اس میں بندوں کا فائدہ ہے کہ ذکر کی کثرت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ

تعلق مضبوط ہوتا ہے اور انسان کی روح کو غذا ملتی ہے جس سے اس میں بالیدگی اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس روحانی قوت کے نتیجے میں انسان کے لئے نفس اور شیطان کا مقابلہ آسان ہو جاتا ہے اور گناہوں سے بچنے میں بھی سہولت ہوتی ہے اور ہر ذکر کے ساتھ نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایک صحابی نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل اور قیامت کے دن سب سے بلند رتبہ عبادت کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا ذکر" (جامع الاصول ص ۴۷۵ ج ۴)

ایک صحابی نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نیکیوں کی قسمیں تو بہت ہیں اور میں ان سب کو انجام دینے کی استطاعت نہیں رکھتا لہٰذا مجھے ایسی چیز بتا دیجئے جسے میں گرہ سے باندھ لوں اور زیادہ باتیں نہ بتایئے گا کیوں کہ میں بھول جاؤں گا۔" آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: "تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہا کرے۔" (جامع ترمذی۔ دعوات، باب فضل الذکر)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے (یعنی ذکر والا گھر زندہ ہے اور بغیر ذکر کا گھر مردہ)۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو لوگ کسی مجلس سے اس حالت میں اٹھ جائیں کہ اس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہو تو وہ مردار گدھے پر سے اٹھے اور یہ مجلس ان کے لئے (قیامت کے دن) حسرت کا باعث بنے گی (یعنی یہ حسرت ہوگی کہ اتنا وقت ہم نے بیکار ضائع کر دیا۔ (ابوداؤد)

اسی لئے حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر مجلس کے آخر میں یہ کلمات پڑھ لینے چاہئیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ.

اس سے اس مجلس کی کوتاہیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (نسائی)

ذکر اللہ کی ان عظیم فضیلتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اتنا آسان بنا دیا ہے کہ اس کے لئے کوئی شرط عائد نہیں فرمائی۔ اگر وضو کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر یکسوئی سے ذکر کر سکے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن اس کا موقع نہ ملے تو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کام میں لگے ہوئے ہر حال میں یہ عبادت انجام دی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے وضو بھی شرط نہیں ہے بلکہ حالت جنابت اور حالت حیض میں بھی ذکر جائز ہے۔ صرف برہنگی کی حالت میں یا نجاست کے مقامات پر مثلاً بیت الخلاء میں زبان سے ذکر نہیں کرنا چاہئے۔ اس وقت بھی دل ہی دل میں ذکر کرنا جائز ہے لہٰذا اس عظیم عبادت کا ثواب انسان ہر وقت بغیر کسی خاص محنت و مشقت کے حاصل کر سکتا ہے اور مناسب یہ ہے کہ دن رات میں کچھ وقت تو ایسا مقرر کر لیا جائے جس میں باقاعدہ باوضو اور قبلہ رخ ہو کر یکسوئی سے ذکر کیا جائے اور باقی اوقات میں چلتے پھرتے، کاموں کے درمیان، لیٹے بیٹھے جتنے ذکر کی توفیق ہو جائے، نعمت ہی نعمت ہے۔

خاص خاص اذکار کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

1. فضائل ذکر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
2. ذکر اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ
3. معمولات یومیہ، سیدی وسندی حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی قدس سرہ

چند مختصر اذکار مندرجہ ذیل ہیں۔ چلتے پھرتے ان کو وردِ زبان رکھنے کی عادت ڈال لی جائے۔

①۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چار کلمے ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. (صحیح مسلم)

②۔ حدیث میں ہے کہ دو کلمے رحمٰن کو بہت محبوب ہیں وہ زبان پر ہلکے ہیں۔ مگر میزانِ عمل میں بہت وزنی ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (بخاری و مسلم)

③۔ حدیث میں ہے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کثرت سے پڑھا کرو کیوں کہ یہ کلمات جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہیں۔ (مشکوٰۃ)

④. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھے تو اس کو اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے دس غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔ دس درجے بلند ہو جاتے ہیں اور شام تک وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے اور یہی کلمات شام کو کہے تو صبح تک یہی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد)

⑤. حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.

(۶) درود شریف: آنحضرت ﷺ پر درود شریف بھیجنے کے اتنے فضائل احادیث

میں آئے ہیں کہ ان سے ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے اور بہت سے علماء نے اس پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والا آیا۔اور اس نے کہا کہ آپ کی امت کا جو شخص آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھتے ہیں۔اس کے دس گناہ (صغیرہ) معاف فرماتے ہیں اور اس کے دس درجات بلند فرماتے ہیں۔'' (سنن نسائی ومسند احمد۔الترغیب للمنذری ص ۱۵۷ ج ۳)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو اسے چاہئے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔'' (ایضاً) درود شریف میں سب سے افضل درود ابراہیمی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور سب سے مختصر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے اس سے بھی درود شریف کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کا نام نامی لکھا جائے تو پورا جملہ ﷺ لکھنا چاہئے صرف صلعم یا ؐ لکھنا کافی نہیں ہے۔

(۷) شکر: اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتیں ہر آن انسان پر مبذول رہتی ہیں یہ نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا.

''اور اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو ٹھیک شمار نہ کرسکو گے۔''

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اگر دوسری نعمتوں کو چھوڑ دیا جائے تو صرف زندگی کی نعمت اتنی بے حساب ہے کہ ہر سانس میں دو نعمتیں پنہاں ہیں۔سانس کا اندر جانا ایک نعمت اور باہر آنا دوسری نعمت ہے کیوں کہ اگر سانس اندر جائے اور

باہر نہ آئے تو مصیبت ہے اور باہر آئے اندر نہ جائے تو دوسری مصیبت ہے لہٰذا ہر سانس پر انسان کو دو نعمتیں ملتی ہیں اور ہر نعمت شکر کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا اگر ہر سانس پر آدمی ایک بار شکر ادا کرے تب بھی صرف سانس کی نعمت کا شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ دوسری بے شمار نعمتوں کا کیسے شکر ادا ہوسکتا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ٹھیک ٹھیک شکر ادا کرنا تو انسان کے بس سے باہر ہے لیکن کثرت سے شکر ادا کرتے رہنا ایک انتہائی محبوب عمل ہے جس پر ثواب بھی بے حساب ملتا ہے۔ نعمتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ.

پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور تم میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ.

اور ہم شکر کرنے والوں کو اچھا صلہ دیں گے۔

نیز ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ.

اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو میرا عذاب سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ کو شکر گذار بندہ بہت محبوب ہے اور ناشکرا شخص نہایت ناپسند ہے۔ کیونکہ ناشکری انتہائی تنگ نظری کی علامت ہے۔ ناشکرے شخص کو اگر کوئی ذرا سی

تکلیف پہنچ جائے تو وہ اسی کو لے بیٹھتا ہے' اسے وہ بے شمار نعمتیں نظر نہیں آتیں جو عین اس تکلیف کے عالم میں بھی اس پر برس رہی ہوتی ہیں اور وہ ذرا سی تکلیف کو پہاڑ بنا کر اسی کا رونا روتا رہتا ہے۔ اس کے برخلاف شکر گذار بندے کا حال یہ ہے کہ تکلیف کے عالم میں بھی اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر رہتی ہے۔ وہ ان نعمتوں پر شکر بھی ادا کرتا ہے اور ساتھ ساتھ تکلیف کے دور ہونے کی دعا بھی کرتا ہے۔

فرض کیجئے کہ کسی شخص کو کوئی بیماری لاحق ہوگئی اگر وہ ناشکرا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کو بھلا کر اپنے آپ کو سب سے زیادہ ستم رسیدہ اور مظلوم سمجھے گا اور ناشکری کے کلمات زبان سے نکالے گا۔ لیکن اگر وہ شکر گذار بندہ ہے تو بیماری سے مغموم اور پریشان ہونے کے باوجود وہ یہ سوچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے بیشتر اوقات میں جو صحت عطا فرمائی وہ کتنی بڑی نعمت تھی اور اس بیماری میں بھی تیمارداروں' معالجوں اور دواؤں کی صورت میں تسلی کے جو اسباب میسر ہیں وہ کتنی بڑی نعمت ہیں۔ جو لوگ اس سے زیادہ بیمار ہیں ان کا تصور کر کے شکر ادا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بیماری سے محفوظ رکھا وہ بیماری دور ہونے کی دعا ضرور کرے گا۔ لیکن شکوے کے لہجے میں نہیں بلکہ اپنی کمزوری اور عاجزی کے لہجے میں وہ تکلیف سے پریشان بھی ہوگا تو اس پریشانی میں ناشکری اور گلے شکوے کا شائبہ نہیں ہوگا۔

انسان پر شیطان کا سب سے پہلا حملہ یہ ہوتا ہے کہ اسے ناشکری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب شیطان کو قیامت تک جینے کی مہلت مل گئی تو اس نے اللہ کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ میں آپ کے بندوں کو بہکاؤں گا اور ہر سمت سے ان پر حملہ آور ہوں گا۔ پھر اپنے ان حملوں کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ

وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ.

اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہیں پائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو شکر کی عبادت سے محروم کر کے انہیں ناشکرا بنا دے اس کے برخلاف جو بندہ شکر گذار بننے کا تہیہ کر لے۔ اس پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

غرض اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بڑی عظیم عبادت ہے اور یہ عظیم عبادت چند لمحوں میں ادا ہو جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ

اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ.

جو شخص کھانا کھا کر شکر ادا کرے وہ ثواب میں اس روزہ دار کے برابر ہے جس نے کھانے سے صبر کیا۔ (بخاری وترمذی)

لہٰذا شب و روز کی زندگی میں جو کوئی چھوٹی بڑی نعمت یا راحت میسر آئے اس پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ گھر میں داخل ہو کر گھر والوں کو عافیت سے دیکھا تو شکر ادا کرے، اچھا کھانا سامنے آیا تو شکر ادا کرے۔ ہوا کا جھونکا اچھا معلوم ہو تو شکر ادا کرے۔ بچہ کھیلتا ہوا اچھا لگا تو شکر ادا کرے۔ غرض ہر وہ بات جس سے خوشی یا آرام حاصل ہو اس پر شکر ادا کرنے اور کرتے رہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اگر زبان سے نہیں تو دل ہی دل میں شکر ادا کر لینا چاہیے۔

نیز بزرگوں نے یہ بھی تلقین فرمائی ہے کہ رات کو بستر پر پہنچ کر سونے سے پہلے کچھ دیر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تصور کیا کرے اور ایک ایک نعمت کا تصور کر کے اس پر شکر ادا کرے مثلاً تصور کرے کہ الحمد للہ میری اور اہل و عیال کی صحت ٹھیک ہے۔ الحمد للہ سر چھپانے کو گھر میسر ہے۔ الحمد للہ، بستر آرام دہ ہے۔ الحمد للہ، جان و مال محفوظ

ہیں۔ غرض جتنی راحتیں میسر ہیں ان سب کا ایک ایک کر کے تصور کرے اور اس پر شکر ادا کر کے سوئے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حقیقی شکر یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بنائے لیکن اگر زبان اور دل سے کثرت کے ساتھ شکر ادا کرنے کی عادت ڈال لے تو یہ بھی ایک عظیم عبادت ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ اس کی برکت سے دوسرے اعمال کی بھی اصلاح ہوگی۔

یوں تو شکر ادا کرنے کے لئے کوئی لفظ متعین نہیں ہے۔ ہر انسان اپنی زبان میں بھی شکر ادا کر سکتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ادائے شکر کے لئے ایسے جامع الفاظ بھی تلقین فرمائے ہیں جن سے ایک مرتبہ ہی میں ہزاروں مرتبہ شکر ادا کرنے کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، وہ الفاظ یہ ہیں:

①۔ اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا دَائِمًا مَّعَ دَوَامِکَ وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا خَالِدًا مَّعَ خُلُوْدِکَ وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَامُنْتَهٰى لَهٗ دُوْنَ مَشِیَّتِکَ وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا یُرِیْدُ قَائِلُهٗ اِلَّا رِضَاکَ وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا عِنْدَ طَرْفَةِ کُلِّ عَیْنٍ وَ تَنَفُّسِ کُلِّ نَفْسٍ.

یا اللہ! آپ کا شکر ہے۔ ایسا شکر جو آپ کے دائمی وجود کے ساتھ دائمی ہو۔ آپ کا شکر ہے۔ ایسا شکر جو آپ کے ہمیشہ رہنے کے ساتھ ہمیشہ رہے اور آپ کا شکر ہے، ایسا شکر جس کی آپ کی مشیت کے سوا کوئی انتہا نہیں اور آپ کا شکر ہے ایسا شکر جس کا کہنے والا آپ کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں چاہتا اور آپ کا شکر ہے آنکھ کی ہر جھپک پر اور سینے کے ہر

تنفس پر۔

❷۔ اللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَدَدَ خَلْقِکَ وَمِدَادَ كَلِمَاتِکَ وَزِنَةَ عَرْشِکَ وَرِضَا نَفْسِکَ.

اے اللہ! آپ کی حمد کرتا ہوں آپ کی مخلوقات کی گنتی کے برابر اور آپ کے کلمات کی سیاہی کے برابر' اور آپ کے عرش کے وزن کے برابر' اور آپ کی خوشنودی کے مطابق۔

❸۔ حضرت عبداللہ بن غنام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شکر کے یہ کلمات تلقین فرمائے۔

اللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ لِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

اے اللہ! مجھے یا آپ کی مخلوق کے کسی اور فرد کو بھی نعمت ملے وہ تنہا آپ کی طرف سے ہے۔ آپ کا کوئی شریک نہیں۔ پس تعریف آپ ہی کی ہے' اور شکر آپ ہی کا ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ "جو شخص یہ کلمات صبح کے وقت کہے۔ اس نے اپنے اس دن کا شکر ادا کر دیا اور جو شخص یہ کلمات شام کے وقت کہے۔ اس نے اپنی اس رات کا شکر ادا کر دیا۔" (نسائی وابوداؤد)

(۸) <u>صبر</u>: اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین قسم کے عالم پیدا کئے ہیں ایک وہ عالم جس میں خوشی ہی خوشی یا آرام ہی آرام ہے۔ غم اور تکلیف کا کوئی شائبہ نہیں یہ جنت کا عالم ہے۔ دوسرا وہ جس میں تکلیف ہی تکلیف اور غم ہی غم ہے۔ اس میں خوشی اور آرام کا کوئی شائبہ نہیں۔ یہ دوزخ کا عالم ہے اور ایک عالم وہ ہے جس میں خوشی بھی ہے اور

غم بھی' راحت بھی ہے اور تکلیف بھی---- اور یہ عالم دنیا ہے۔ لہٰذا اس دنیا میں آج تک نہ کوئی ایسا انسان ہوا ہے' نہ ہو سکتا ہے' جسے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ انسان خواہ کتنا ہی دولت مند ہو۔ کتنا ہی با اختیار ہو' کتنا ہی نیک اور متقی ہو۔ اسے اس دنیا میں خوشی کے ساتھ غم سے اور آرام کے ساتھ تکلیف سے ضرور سابقہ پیش آئے گا۔ بڑے بڑے پیغمبر بھی تکلیفوں اور پریشانیوں سے گذرے ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ مجھے اپنی زندگی میں کبھی کوئی تکلیف یا صدمہ نہ پہنچے تو وہ اس دنیا کی حقیقت ہی سے جاہل ہے۔ اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی کم اور زیادہ کا فرق ضرور ہو سکتا ہے لیکن تکلیف اور صدموں سے بالکلیہ نجات اس دنیا میں ممکن نہیں۔ ع

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

لہٰذا اس دنیوی زندگی میں ہر شخص کو کسی نہ کسی شکل میں تکلیفوں اور غموں سے سابقہ ضرور پیش آنا ہے' اگر وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے' ہر وقت جا بجا اپنے غموں کا دکھڑا روتا رہے اور اپنی تقدیر کا گلہ شکوہ کرے۔ تب بھی اسے غموں سے بالکلیہ نجات نہیں مل سکتی۔ لیکن اس صورت میں ایک تو وہ ہمیشہ تکلیف کی گھٹن کا شکار رہے گا دوسرے اس بے صبری کا بہت بڑا نقصان یہ ہو گا کہ یہ تکلیفیں جو اس کے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ بن سکتی تھیں' ان کا کوئی اجر بھی نہیں ملے گا۔

اس کے برعکس ایک انسان وہ ہے جو تکلیف اور صدمے کے موقع پر یہ سوچتا ہے کہ یہ چند روزہ دنیا کی تکلیف ہے اور دنیا کی تکلیفوں سے کسی کو بھی مکمل چھٹکارا نہیں مل سکتا اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی حکمت ہماری

سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لہٰذا مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا شکوہ کرنے کی بجائے اس کی حقانیت پر ایمان رکھنا چاہیے۔ اگرچہ اس تکلیف دہ واقعے سے مجھے صدمہ پہنچا ہے۔ اس صدمے کی وجہ سے میرا دل بھی اُمڈ رہا ہے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے کوئی شکایت نہیں کیونکہ وہی جانتا ہے کہ میری بہتری کس چیز میں ہے؟ میں ان ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے۔ اسے میرے حق میں بہتر بنا دیں۔ میرے دل کو سکون اور تسلی عطا فرما دیں اور آئندہ مجھے ایسی تکلیفوں سے محفوظ رکھیں جو مجھے بیتاب کرنے والی ہوں۔

اس شخص کی اسی سوچ کا نام ''صبر'' ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کو تسلی ہوتی ہے' بے چینی میں کمی آتی ہے' دل کو قرار نصیب ہوتا ہے اور دوسری طرف جو تکلیف پہنچی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب اجر ملتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ.

بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب بے حساب دیا جائے گا۔

یاد رکھئے کہ کسی تکلیف کے موقع پر دل میں صدمہ پیدا ہونا کوئی گناہ نہیں بلکہ تکلیف اور صدمے کے موقع پر بے اختیار جو رونا آ جائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں' بے صبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض اور شکوہ شکایت شروع کر دے اگر دل میں صدمے کی آگ سلگ رہی ہے' آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں' طبیعت پریشان ہے' بار بار رونا آ رہا ہے۔ لیکن انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر ایمان رکھتا ہے تو اسی کا نام ''صبر'' ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب اجر کا وعدہ ہے۔

اس "صبر" کی علامت یہ ہے کہ جب بھی دل میں صدمہ پیدا ہو انسان زبان سے کہے کہ:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جو لوگ صدمے کے موقع پر یہ کلمہ زبان سے کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُولٰئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ وَ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ.

ایسے ہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے رحمتیں ہی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہیں۔

لہٰذا بزرگانِ دین نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "صبر" ہزار عبادتوں کی ایک عبادت ہے۔ جس سے انسان روحانی اعتبار سے ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس صبر کی عبادت کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی بڑا صدمہ یا بڑی تکلیف پیش آئے تبھی انسان صبر کرے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہے بلکہ روزمرہ کی زندگی میں جو چھوٹی چھوٹی باتیں طبیعت کے خلاف پیش آتی رہتی ہیں ان پر بھی انا للہ پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَصَابَتْ اَحَدُکُمْ مُصِیْبَۃٌ فَلْیَقُلْ اِنَا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اَللّٰھُمَّ عِنْدَکَ أَحْتَسِبُ مُصِیْبَتِیْ وَآجِرْنِیْ فِیْھَا وَأَبْدِلْنِیْ خَیْرًا مِنْھَا.

یعنی جب تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن. یا اللہ! میں اس تکلیف پر ثواب کا طلب گار ہوں۔ مجھے اس پر اجر عطا فرمائیے اور اس کی جگہ مجھے کوئی اس سے بہتر چیز عطا فرمائیے۔ (ابوداؤد باب الاسترجاع)

نیز حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے چراغ گل ہو گیا تو آپ نے اس پر بھی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر بھی اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھنا چاہیے اور اس طرح روزمرہ پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے ناگوار واقعات پر ہر مرتبہ "صبر" کی عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ چلتے چلتے پاؤں میں کانٹا لگ گیا۔ دامن کسی چیز سے الجھ گیا۔ پاؤں پھسل گیا۔ گھر میں بجلی چلی گئی۔ کسی ناگوار واقعے کی خبر کان میں پڑ گئی۔ کوئی چیز گم ہو گئی۔ غرض اس جیسے ہر موقع پر انا للہ پڑھتے رہنا چاہیے اور ایک مرتبہ دل میں اس بات کا اعتقاد جما لینا چاہئے کہ ہر ناگوار واقعے کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہے۔ بس اسی کا نام "صبر" ہے اور اس پر مسلسل بے حساب اجر ملتا رہتا ہے۔

ایک اور بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جس طرح کسی صدمے کے موقع پر بے اختیار رو دینا "صبر" کے خلاف نہیں ہے اسی طرح کسی تکلیف کے موقع پر اس تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرنا بھی "صبر" کے خلاف نہیں۔ مثلاً بیماری آئی تو اس کا علاج کرنا "صبر کے خلاف نہیں" بے روزگاری ہوئی تو روزگار کی تلاش صبر کے منافی نہیں بلکہ یہ تمام کوششیں بھی کرتے رہنا چاہیے اور تکلیف دور ہونے کی دعا بھی بلکہ تکلیف کی شدت میں کراہنا بھی صبر کے خلاف نہیں کیونکہ صبر کی حقیقت صرف وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کوئی اعتراض اور شکوہ نہ ہو اور وہ

زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھتا رہے۔

کہنے کو یہ ایک مختصر عمل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر جو اجر وثواب لکھا جاتا ہے۔اس کا تصور بھی اس وقت ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔

(۸) ''بسم اللہ'' سے ہر اہم کام شروع کرنا: ہر قابلِ ذکر کام کو ''بسم اللہ'' سے شروع کرنا ان اسلامی شعائر میں سے ہے جن سے مسلمان پہچانا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

كُلُّ أَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ.

ہر وہ اہم کام جسے بسم اللہ سے شروع نہ کیا گیا ہو وہ ناقص اور ادھورا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سنت یہ ہے کہ ہر قابلِ ذکر کام سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھا کرتے تھے۔ہر مسلمان کو اس سنت کی اتباع کرتے ہوئے بسم اللہ سے کام شروع کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔گھر میں داخل ہوتے وقت' گھر سے نکلتے وقت' سواری پر سوار ہوتے وقت' سواری سے اترتے وقت' بلکہ چلتے ہوئے سواری کو ٹھوکر لگ جائے یا خود اپنے آپ کو ٹھوکر لگ جائے تب' مسجد میں داخل ہوتے وقت' مسجد سے نکلتے وقت' بلکہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے ذرا پہلے' اور وہاں سے نکلنے کے فوراً بعد' کھانا کھاتے وقت' پانی پیتے وقت' کپڑے پہنتے وقت' جوتے پہنتے وقت' کوئی کتاب پڑھتے وقت' کوئی خط یا تحریر لکھتے وقت' اپنے روزگار کا کام شروع کرنے سے پہلے' کسی سے کوئی نیا معاملہ کرنے سے پہلے غرض ہر تبدیل شدہ حالت پر بسم اللہ شروع کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔اسی طرح خواتین جب کھانا پکانا شروع کریں تو اس وقت بسم اللہ پڑھیں۔کھانے میں کوئی چیز ڈالیں تو بسم اللہ پڑھ کر ڈالیں' کھانا چننے کے لئے نکالیں تو بسم اللہ پڑھ کر نکالیں۔کوئی کپڑا سینا یا بنا شروع کریں تو بسم اللہ سے

شروع کریں، بچے کو کپڑے پہنائیں تو بسم اللہ پڑھ کر پہنائیں اور اس کو بھی بسم اللہ پڑھنا سکھائیں غرض اس طرح اپنے روزمرہ کے کاموں کو بسم اللہ سے شروع کرنا اپنے معمولات میں شامل کرلیا جائے تو یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں محنت اور دشواری کچھ نہیں اور ذرا دھیان دینے سے انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے بلکہ اس عمل کی برکت سے یہ سارے کام جو بظاہر دنیوی کام نظر آتے ہیں بذات خود عبادت بن جاتے ہیں۔

ایک کافر بھی دنیا کے کام انجام دیتا ہے اور ایک مومن بھی، لیکن دونوں میں اتنا زبردست فرق ہے کہ کافر غفلت کی حالت میں یہ سب کام کرتا ہے اور مومن بسم اللہ سے ہر کام کا آغاز کرکے گویا اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی کام کی تکمیل ممکن نہیں اور اس اعتراف کے نتیجے میں اس کے دنیا کے سارے کام بھی دین کا ایک حصہ اور عبادت بن جاتے ہیں۔

''بسم اللہ'' کے فضائل پر احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ''بسم اللہ کے فضائل و مسائل'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۱۰) پہلے سلام کرنا: مسلمانوں کو سلام کرنا بھی ان اسلامی شعائر میں سے ہے۔ جن سے ایک مسلمان کی شناخت ہوتی ہے اور اس کے بہت سے فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ خاص طور سے کسی مسلمان کو سلام کی ابتدا کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے قریب تر وہ شخص ہے جو لوگوں کو سلام کرنے کی ابتدا کرے۔'' (ابوداؤد)

یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ان ہی لوگوں کو سلام کیا جائے جو جان پہچان والے ہوں بلکہ جن کو انسان پہچانتا نہ ہو لیکن ان کا مسلمان ہونا معلوم ہو ان کو سلام کرنا

بھی بہت ثواب ہے۔

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مسلمان کے لئے کون سے اعمال بہتر ہیں؟ اس کے جواب میں آپؐ نے جو اعمال شمار کرائے۔ ان میں یہ بھی تھا کہ ''لوگوں کو سلام کرنا چاہے تم انہیں پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کبھی کبھی وہ گھر سے باہر صرف اس غرض سے نکلا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے گا اسے سلام کریں گے اور اس طرح ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔ (موطا امام مالک)

لیکن حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا جائے۔ ہر نظر آنے والے شخص کو سلام کرنا مقصود نہیں کیوں کہ عملاً ایسا ممکن بھی نہیں ہے، اور اس سے لوگوں کو تکلیف بھی پہنچ سکتی ہے۔ (الآداب الشرعیہ لابن مصلح ص ۳۲۲ ج ۱)

یہ بھی سنت ہے کہ جب کوئی شخص باہر سے آئے تو گھر میں داخل ہو کر گھر والوں کو سلام کرے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے خادم خاص حضرت انسؓ سے فرمایا تھا:

> ''بیٹے! جب اپنے گھر میں داخل ہو تو ان کو سلام کرو، یہ عمل تمہارے اور تمہارے گھر والوں دونوں کے لئے باعث برکت ہوگا۔'' (ترمذی)

بلکہ اگر کسی خالی گھر میں داخل ہوں تو اس وقت بھی سلام کرنا چاہئے اور نیت یہ کی جائے کہ یہ سلام فرشتوں کو کیا جارہا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسے موقع پر ''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ'' کہا کرتے تھے۔ (الآداب الشرعیہ لابن مصلح ص ۳۲۳ ج ۱)

حدیث میں اس بات کی بھی ترغیب آئی ہے کہ سلام واضح لفظوں میں اس طرح کیا جائے کہ وہ سمجھ میں آئے اور اگرچہ سلام کی سنت صرف ''السلام علیکم کہنے

سے ادا ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' بھی بڑھایا جائے تو زیادہ ثواب ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے ''السّلامُ علیکم'' کہہ کر سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا ''دس'' (یعنی سلام کرنے والے کو دس نیکیاں حاصل ہوئیں۔) پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے کہا ''السَّلامُ عَلیکم ورحمة اللّٰه''. آپؐ نے جواب دیا اور فرمایا ''بیس'' (یعنی سلام کرنے والے کو بیس نیکیاں ملیں) پھر ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے کہا ''السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ'' آپؐ نے جواب دے کر فرمایا ''تیس'' (یعنی انہیں تیس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا) (ابوداؤد و ترمذی۔ جامع الاصول ص ۶۰۲ ج ۶)

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سلام کرنا اس وقت سنت ہے جب کوئی شخص اپنے کسی کام میں مشغول نہ ہو اور یہ اندازہ ہو کہ سلام کرنے سے اس کے کام میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ لیکن اگر اس کے کام میں خلل آنے کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت میں سلام کرنا درست نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص تلاوت یا ذکر کر رہا ہے یا کسی مریض کی تیمارداری میں مشغول ہے یا مطالعہ کر رہا ہے یا کسی اور ایسے کام میں لگا ہوا ہے جس میں توجہ ہٹنے سے کام کا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے تو جب تک وہ فارغ نہ ہو جائے سلام کرنا درست نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی مجمع سے خطاب کر رہا ہے اور لوگ اس کی بات سن رہے ہیں۔ تو ایسے میں بھی بولنے والے یا سننے والوں کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔

البتہ اگر لوگ خاموش بیٹھے ہوں اور کوئی شخص ان کے پاس سے گذرے یا مجلس میں بیٹھنا چاہے تو بس ایک مرتبہ سلام کرلے اور حاضرین میں سے کوئی ایک بھی جواب دے دے تو سلام کی سنت اور سلام کے جواب کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

سلام کا آغاز کرنا سنت ہے لیکن کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دینا واجب ہے اگر کوئی شخص سلام کا جواب نہ دے تو گنہگار ہوگا۔

نیز جب کسی کا خط آئے اور اس میں "السَّلام علیکم" لکھا ہوا ہو تو پڑھتے وقت ہی سلام کا جواب دے دینا چاہئے۔ (شرح مسلم نووی)

(۱۱) <u>بیمار پرسی</u>: بیمار شخص کی عیادت (بیمار پرسی) بھی بڑے اجر و ثواب کا عمل ہے اور آنحضرت ﷺ نے ہر مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمان کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں ان میں بیمار پرسی بھی داخل ہے بعض فقہاء نے اسے واجب تک کہا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کرنے جاتا ہے تو وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے۔" (صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلہ و ترمذی کتاب الجنائز)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"جو کوئی مسلمان صبح کے وقت کسی دوسرے مسلمان کی عیادت کو جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ شام کے وقت کسی کی عیادت کو جاتا ہے تو اگلی صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور اس کو جنت

کا ایک باغ عطا کیا جاتا ہے۔" (ترمذی۔ کتاب الجنائز حدیث ۹۶۹)

آنحضرت ﷺ کا مستقل معمول تھا کہ اپنے ملنے جلنے والوں میں سے کسی کی بیماری کی اطلاع ملتی تو اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اس کا حال پوچھا جائے بشرطیکہ ہاتھ رکھنے یا حال پوچھنے سے اس کو تکلیف نہ ہو اگر تکلیف کا اندیشہ ہو تو نہ ہاتھ رکھنا چاہیے نہ حال پوچھنا چاہیے۔ ایسے میں تیمارداروں سے خیریت دریافت کر لینا کافی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بیمار کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے:

أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَّشْفِيَکَ

وہ اللہ جو خود عظیم ہے اور عظیم عرش کا مالک ہے میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا عطا فرمائے۔

آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی موت کا وقت ہی نہ آ چکا ہو اس کو اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب الجنائز، ترمذی کتاب الطب)

آنحضرت ﷺ مریض کی عیادت کے وقت بہ کثرت یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَماً.

اے تمام لوگوں کے پروردگار، تکلیف کو دور فرما دیجئے اور شفا عطا فرمائیے آپ شفا دینے والے ہیں آپ کے سوا کوئی شفا نہیں دے

سکتا۔ ایسی شفا دیجئے جو بیماری کا کوئی حصہ نہ چھوڑے۔

نیز بیمار کو دیکھ کر یہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔

لَابَأْسَ، طَهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

تمہارا نقصان نہ ہو (یہ بیماری) انشاء اللہ تمہارے لئے پاکی کا موجب ہوگی۔

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام میں جتنی فضیلت بیمار پرسی کی بیان کی گئی ہے۔ اس سے زیادہ تاکید اس بات کی کی گئی ہے کہ اپنے کسی عمل سے مریض کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے۔ جس عیادت سے بیمار یا تیمارداروں کو زحمت اٹھانی پڑے اس سے ثواب کے بجائے گناہ کا شدید خطرہ ہے۔

چنانچہ اگر مریض کے لئے کسی شخص سے ملاقات مضر ہو تو ایسے میں ملاقات پر اصرار کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے میں باہر ہی باہر سے حال معلوم کر کے آجانے اور دعا کرنے سے عیادت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ مریض کو جتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اگر مریض کا دل خوش کرنا مقصود ہو تو تیمارداروں سے کہہ دیا جائے کہ وہ کسی مناسب وقت پر مریض کو اطلاع کر دیں کہ فلاں شخص آپ کی عیادت کے لئے آیا تھا اور آپ کے لئے دعا کرتا ہے۔

اسی طرح حدیث میں اس بات کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے وہ اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔ بلکہ مختصر عیادت کر کے چلا آئے کیونکہ زیادہ دیر بیٹھنے سے اکثر مریض کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہاں جس بے تکلف شخص کو خود مریض اپنی تسلی یا دل بستگی کے لئے بٹھانا چاہے۔ اس کے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب بھی نہایت ضروری ہے ایسے وقت میں عیادت کو جانا درست نہیں ہے جب مریض کے آرام یا دیگر معمولات میں خلل آئے لہٰذا تیمارداروں سے پہلے ہی پوچھ لینا چاہئے کہ عیادت کا مناسب وقت کیا ہوگا؟

(۱۲) نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت: کسی مسلمان کے مرنے پر اس کی نماز جنازہ پڑھنے اور جنازے کے ساتھ قبرستان جا کر تدفین میں شرکت کرنے کی بھی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے بلکہ اس کو آنحضرت ﷺ نے مسلمان کا حق قرار دیا ہے کہ اس کے مرنے پر نماز جنازہ میں شرکت کی جائے اور جنازے کے ساتھ قبرستان جایا جائے۔

اگرچہ نماز جنازہ میں شرکت اور جنازے کے ساتھ قبرستان جانا فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر کچھ لوگ ایسا کرلیں تو باقی مسلمانوں سے فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ جنازے میں شرکت نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوتے لیکن اگر کوئی شرکت کرے تو اس کا بہت ثواب ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص کسی جنازے میں نماز پڑھے۔ اس کو ایک قیراط ملے گا اور جو اس کے پیچھے جائے یہاں تک کہ اس کی تدفین مکمل ہو جائے تو اس کو دو قیراط ملیں گے جن میں سے ایک احد کے پہاڑ کے برابر ہوگا''۔[۱]

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جنت کی نعمتوں اور وہاں ملنے والے اجر و ثواب

---

۱ یہ الفاظ جامع ترمذی کی روایت میں آئے ہیں (ترمذی کتاب الجنائز حدیث ۱۰۴۰ باب ۱۴۹ لیکن اصل حدیث بخاری اور مسلم میں بھی مروی ہے۔

کا چونکہ دنیا میں صحیح تصور ممکن نہیں ہے اور نہ ان کو تعبیر کرنے کے لئے انسان کے پاس صحیح الفاظ ہیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ انسانوں کی سمجھ سے قریب لانے کے لئے ایسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں جو دنیا کے معاملات میں رائج اور مشہور ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے جنازے کی شرکت کے ثواب کو "قیراط" سے تعبیر فرمایا ہے جو سونے چاندی کا ایک وزن ہوتا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اسے دنیا کے قیراط کی طرح نہ سمجھا جائے۔ وہ اپنی عظمت میں احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے پر ثواب الگ ہے اور جنازے کے ساتھ جا کر تدفین میں شرکت کا ثواب علیحدہ ہے اور دونوں بڑے عظیم ثواب ہیں۔ اور ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"جو شخص (جنازہ اٹھنے سے پہلے) میت کے گھر جائے اس کو ایک قیراط ملے گا' پھر اگر جنازے کے پیچھے چلے' اسے ایک اور قیراط' پھر اگر وہ اس پر نماز پڑھے تو ایک اور قیراط' پھر اگر تدفین تک انتظار کرے تو ایک اور قیراط۔" (فتح الباری ص ۱۹۴ ج ۳ بحوالہ مسند بزاز)

جس کے معنی یہ ہیں کہ چاروں اعمال الگ الگ نیکیاں ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ ثواب ہے اور ہر ثواب بہت عظیم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ حدیث معلوم نہیں تھی جب حضرت ابو ہریرہؓ کی معرفت کے انہیں معلوم ہوئی اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حسرت سے فرمایا:

"ہم نے تو بہت سے قیراط یقیناً ضائع کر دیئے۔" (ترمذی)

نمازِ جنازہ میں بہت سے لوگ رسماً شریک ہوتے ہیں لیکن بسا اوقات نمازِ جنازہ کا صحیح طریقہ بھی نہیں آتا۔ ذرا سی توجہ سے نماز کا طریقہ سیکھ لینا چاہیے۔ اور

شرکت میں رسم کی پابندی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت کرنی چاہیے۔ ان شاء اللہ اس پر بڑا اجر وثواب ملے گا۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ نماز جنازہ کے بعد جنازے کے پیچھے چل کر اس کی تدفین میں شرکت ایک مستقل نیک عمل ہے اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ عمل نفلی نماز سے بھی افضل ہے۔ (فتح الباری ص ۱۹۳ ج ۳ بحوالہ عبدالرزاق)

(۱۳) تعزیت اور مصیبت زدہ کی تسلی: کسی شخص کے انتقال پر اس کے گھر والوں سے تعزیت کرنا اور اپنے قول وفعل سے ان کی تسلی کا سامان کرنا بھی بہت ثواب کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عَزّٰی مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ.

جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت (تسلی) کرے اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس مصیبت زدہ کو اس مصیبت پر ملتا ہے۔

(جامع ترمذی کتاب الجنائز حدیث ۱۰۷۳)

واضح رہے کہ "تعزیت" کا مطلب بعض لوگ اظہارِ غم سمجھتے ہیں، اور اس وجہ سے میت کے گھر والوں کی تسلی کا سامان کرنے کی بجائے الٹا انہیں صدمہ یاد دلا دلا کر مزید غم میں مبتلا کرتے ہیں۔ حقیقت میں "تعزیت" کے معنی "تسلی دینے" کے ہیں لہٰذا ہر وہ طریقہ اختیار کرنا "تعزیت" میں داخل ہے۔ جس سے غمزدہ افراد کی ڈھارس بندھے۔ جس سے انہیں قرار آئے۔ جس سے ان کا دل بہلے اور ان کے صدمے کے احساس کی شدت کم ہو۔

اور تسلی دینے کا یہ ثواب صرف کسی کے انتقال ہی کے موقع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اوپر کی حدیث میں ہر مصیبت زدہ کو تسلی دینے کا بھی وہی اجر وثواب

یہاں بیان فرمایا گیا ہے لہٰذا جس کسی شخص کو کوئی بھی تکلیف یا صدمہ پہنچا ہو تو اس کو تسلی دینے اور اس کی تسلی کا سامان کرنے کا بھی وہی اجر وثواب ہے جو اس شخص کو اس تکلیف یا صدمے پر مل رہا ہے۔

(۱۴) اللہ کے لئے محبت کرنا: کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر محبت رکھنا بھی بڑا عظیم الشان عمل ہے جس پر بہت اجر وثواب کے وعدے کئے گئے ہیں۔ "اللہ کے لئے محبت کرنے" کے معنی یہ ہیں کہ کسی سے کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ بلکہ یا تو اس سے اس لئے محبت کی جائے کہ وہ زیادہ دیندار، متقی و پرہیزگار ہے یا اس کے پاس دین کا علم ہے یا وہ دین کی خدمت میں مشغول ہے یا اس لئے محبت کی جائے کہ اس سے محبت کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ مثلاً والدین۔

ایسی محبت کو احادیث میں "حب فی اللہ" (اللہ کے لئے محبت) کہا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج جب کہ میرے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہے۔ میں ایسے لوگوں کو اپنے سائے میں رکھوں گا۔"

(صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلہ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:

"اللہ کی عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے اور لوگ ان پر رشک کریں گے۔"

(جامع ترمذی۔ کتاب الزہد)

ابوادریس خولانیؒ مشہور تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں جامع دمشق میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کی کہ ''بخدا مجھے آپ سے اللہ کی خاطر محبت ہے۔'' انہوں نے بار بار مجھ سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی تمہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر مجھ سے محبت ہے؟ جب میں نے ہر بار اقرار کیا تو انہوں نے میری چادر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا:

> ''خوشخبری سنو' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کو لازمی طور پر حاصل ہو گی جو میری خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ جو میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں' جو میری خاطر ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔'' (موطا امام مالک۔ کتاب الشعر)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت رکھنا چونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر اللہ تعالیٰ سے محبت کا اجر و ثواب ملتا ہے اور اس محبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے والے کو اپنے محبوب لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ ''تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' عرض کیا کہ تیاری تو کچھ نہیں۔ البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں: آپؐ نے فرمایا: ''تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو گے۔''

حضرت انسؓ (جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ہمیں

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے اتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور چیز سے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ مجھے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت ہے اور اس محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میرے اعمال ان کے اعمال کے برابر نہیں ہیں۔" (صحیح بخاری کتاب الادب باب علامۃ الحب فی اللہ)

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کسی سے محبت رکھنا بہت فضیلت کا عمل ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی نیک عمل کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی نیک لوگوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ہمیشہ اللہ کے لئے محبت رکھنی چاہیے اور اس نیت سے رکھنی چاہئے کہ اس محبت کی برکت سے مجھے بھی نیکی کی توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں۔ ع

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ خود نیکوں میں سے نہیں ہوں
شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی کی توفیق عطا فرمادیں۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ "جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے محبت کرتا ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے بھائی کو بتادے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

(ابوداؤد کتاب الادب وترمذی کتاب الزہد)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضورؐ کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک اور شخص وہاں سے گذرا بیٹھے ہوئے شخص نے کہا کہ "یارسول اللہ! مجھے اس شخص سے محبت ہے۔" آپؐ نے فرمایا کہ "کیا تم نے اسے بتادیا ہے؟" اس نے کہا "نہیں"

آپؐ نے فرمایا "اسے بتا دو۔" وہ شخص اٹھا اور جانے والے کے پاس پہنچ کر اس نے کہا۔ "میں تم سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں" اس نے کہا "جس اللہ کے لئے تم مجھ سے محبت کرتے ہو خدا کرے کہ وہ تم سے محبت کرے۔"

(۱۵) کسی مسلمان کی مدد کرنا: کسی مسلمان کا کوئی ضروری کام کر دینا یا اس کے کام میں مدد کرنا یا اس کی کوئی پریشانی دور کر دینا بھی ایسا عمل ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے بہت بڑے اجر و ثواب کے وعدے فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں لگا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی بے چینی دور کرے اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں اس سے قیامت کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور فرما دیتے ہیں۔ (ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب المواخاۃ)

کسی شخص کو راستہ بتا دینا، کسی کا سامان اٹھانے میں اس کی مدد کر دینا غرض خدمت خلق کے تمام کام اس حدیث کی فضیلت میں داخل ہیں، جو لوگ دوسروں کے کام آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑی فضیلت والے لوگ ہیں۔ حدیث میں ہے کہ:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ.

لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

لہٰذا خدمت خلق کا ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کے مواقع تلاش کرنے

چاہئیں۔ اس سے انسان کی نیکیوں میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص پر ظلم ہو رہا ہو، تو اس کو ظلم سے بچانے کی امکانی کوشش ہر مسلمان کا فرض ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا یا وعدہ خلافی کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔'' (ترمذی، البر والصلہ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:

''جس جگہ کسی مسلمان کی بے حرمتی کی جا رہی ہو اور اس کی آبرو پر دست درازی ہو رہی ہو وہاں جو مسلمان اس شخص کو بے یار و مددگار چھوڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسے مواقع پر بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہوگا اور جس جگہ کسی مسلمان کی بے آبروئی یا بے حرمتی ہو رہی ہو وہاں اگر کوئی مسلمان اس کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ اس کی مدد کریں گے جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہوگا۔''

(ابوداؤد، ادب)

مسلمان کی مدد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر کسی جگہ اس پر غلط الزامات لگائے جا رہے ہوں یا غلط باتیں اس کی طرف منسوب کی جا رہی ہوں تو ان الزامات کا جائز دفاع کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللّٰهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

جو شخص اپنے کسی بھائی کی آبرو کا دفاع کرے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے

سے جہنم کی آگ کو ہٹا دیں گے۔ (ترمذی۔ البر والصلۃ، باب ۲۰)

(۱۶) جائز سفارش کرنا: کسی مسلمان کے لئے جائز سفارش کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا.

جو شخص کوئی اچھی سفارش کرے، اس کو اس میں سے حصہ ملے گا۔

اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا.

سفارش کرو، تمہیں ثواب ملے گا۔ (ابوداؤد و نسائی)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے آ کر آپؐ سے کچھ فرمائش کی۔ آپؐ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ (ان کی) سفارش کرو تاکہ تمہیں ثواب ملے۔" (بخاری، کتاب الادب)

اچھی سفارش بذات خود نیک عمل ہے۔ خواہ متعلقہ شخص کا کام اس سفارش سے بن جائے یا نہ بنے اور اگر کام بن گیا تو امید ہے کہ انشاء اللہ دوہرا ثواب ملے گا۔

لیکن اس بات کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ سفارش جائز مقصد کے لئے ہو اور اس سے کوئی ناجائز یا ناحق کام نکلوانا مقصود نہ ہو کیوں کہ ناجائز سفارش کا گناہ بھی بہت بڑا ہے۔ لہٰذا سفارش کرنے سے پہلے اس بات کی تحقیق کر لینا واجب ہے کہ جس شخص کی سفارش کی جا رہی ہے وہ اس کا مستحق ہے اور جس کام کے لئے کی جا رہی ہے وہ جائز کام ہے۔

اسی طرح سفارش کے معاملے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی جا رہی ہے، اس پر کوئی ناواجبی بوجھ نہ پڑنا چاہیے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا

چاہئے کہ وہ کام اس کے اختیار میں ہے یا نہیں۔ اگر کام اس کے اختیار میں نہیں ہے تو سفارش نہیں کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اندیشہ ہے کہ سفارش سے اس کو شرمندگی ہوگی۔ اور اگر یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ کام اس کے اختیار میں ہے یا نہیں تو ایسی صورت میں حتمی انداز میں سفارش نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ صراحت کر دینی ضروری ہے کہ اگر یہ کام آپ کے اختیار میں ہو تو کر دیں۔

نیز اگر کوئی کام کسی شخص کے اختیار میں بھی ہو تو بسا اوقات وہ کچھ خاص قواعد و ضوابط یا ترجیحات قائم کر لیتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی سفارش حتمی طور سے کرنے کے بجائے ایسے انداز سے کرنی چاہیے جس سے اس پر اپنے قواعد یا ترجیحات کے خلاف کوئی کام کرنے کا ایسا دباؤ نہ پڑے جس سے وہ بوجھ محسوس کرے۔

آج کل عموماً سفارش کرتے ہوئے بس یہ بات تو ذہن میں رکھ لی جاتی ہے کہ سفارش کرنا ثواب ہے۔ لیکن سفارش کے جو احکام اور آداب شریعت نے مقرر فرمائے ہیں ان کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ خاص طور سے اس بات کی تو بہت کم لوگ رعایت کرتے ہیں کہ جس شخص سے سفارش کی جا رہی ہے اس کو تکلیف نہ ہو لہٰذا یہ بات کبھی نہ بھولنی چاہئے کہ شریعت میں ہر چیز کے آداب و احکام ہیں اور ان کی رعایت ضروری ہے۔ کسی ایک مسلمان کو فائدہ پہنچانے کے لئے کسی دوسرے شخص کو ناواجبی تنگی یا تکلیف میں ڈالنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۱۷) <u>کسی کے عیب کی پردہ پوشی</u>: اگر کسی مسلمان کے کسی عیب کا علم ہو جائے، تو جب تک اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، اس کی پردہ پوشی بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِی الدُّنْیَا إِلَّا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.

جو کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلہ)

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَأٰی عَوْرَۃً فَسَتَرَھَا، کَانَ کَمَنْ أَحْیَا مَوْءُ دَۃً.

جو شخص کسی کا کوئی عیب دیکھے اور اسے چھپالے تو اس کا یہ عمل ایسا ہے جیسے کوئی زندہ درگور کی جانے والی لڑکی کو بچالے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، مستدرک حاکم ص ۳۸۴ ج ۴)

''پردہ پوشی'' یا ''عیب چھپانے'' کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں سے اس کا ذکر نہ کرے اور اس عیب کی تشہیر نہ کرے۔ لیکن اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں۔

① کسی کے عیب کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اس عیب کے بارے میں سوال کرلے تو اوّل تو جواب کو ٹلانے کی کوشش کرے اور اگر جواب دینا پڑ جائے تو کوئی بات خلاف واقعہ نہ کہے۔

② کسی کے عیب کی پردہ پوشی اسی وقت جائز ہے جب اس عیب کا اثر اس شخص کی ذات کی حد تک محدود ہو لیکن اگر اس سے کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو متعلقہ شخص کو اس عیب کے بارے میں بتادینا جائز بلکہ موجب ثواب ہے۔ بشرطیکہ نیت دوسرے کو نقصان سے بچانے کی ہو، رسوا کرنا مقصد نہ ہو مثلاً ایک شخص کی عادت ہے کہ وہ لوگوں کا پیسہ دھوکے سے لے کر کھا جاتا ہے یا قرض لے کر واپس

کرنے کا اہتمام نہیں کرتا اور ناواقف لوگ اس کے ساتھ معاملہ کر کے نقصان اٹھا سکتے ہیں تو جن لوگوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو انہیں بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کہیں شادی کا پیغام دیا ہے اور لڑکی والے اس کے حالات کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو انہیں صحیح صورتِ حال سے باخبر کر دینا درست ہے۔ لیکن ان تمام صورتوں میں نیت انہیں نقصان سے بچانے کی ہونی چاہئے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس سے معاشرے میں برائی پھیلنے کا اندیشہ ہے تو متعلقہ حکام کو اس سے باخبر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ باخبر کرنا موجب ثواب ہے بشرطیکہ نیت اصلاحِ معاشرہ کی ہو۔ مجرم سے ذاتی انتقام لینا یا دشمنی نکالنا مقصود نہ ہو۔

(۱۸) نیکی کی ہدایت کرنا: کسی دوسرے شخص کو کسی نیک کام پر آمادہ کرنا بھی بہت ثواب کا کام ہے۔ اگر ایک شخص کی کوشش سے کوئی دوسرا شخص کسی نیک کام پر تیار ہو جائے تو اس نیک کام کا جتنا ثواب کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جس نے اس نیک کام میں اس کی رہنمائی کی۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص کسی نیک کام کی طرف کسی کی رہنمائی کرے اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس کے کرنے والے کو ملے گا۔" (صحیح مسلم)

اور نیک کام کی طرف یہ رہنمائی اگر اجتماعی شکل میں ہو۔ یعنی بہت سے لوگوں کو نیکی کی ترغیب دی جائے اور اس ترغیب کے نتیجے میں وہ کام کر لیں تو سب لوگوں کی نیکیوں کا ثواب رہنمائی کرنے والے کو ملتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَعَا إِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الاَجْرِ مِثْل أُجُوْرَ مَنْ تَبِعَهٗ' لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا. وَمَنْ دَعَا إِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ آثَامِهِمْ شَیْئًا.

جو شخص ہدایت کی دعوت دے۔ اس کو ان تمام لوگوں کے برابر ثواب ملتا ہے جو اس کی ہدایت پر عمل کریں اور ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی' اور جو شخص کسی گمراہی کی دعوت دے' اس کو ان تمام لوگوں کے برابر گناہ ہوگا جو اس کی دعوت پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ (صحیح مسلم)

یہ ثواب تو اس وقت ہے جب دوسرا شخص رہنمائی کرنے والے کی بات پر عمل کرلے لیکن اگر بالفرض وہ عمل نہ بھی کرے تب بھی انشاء اللہ خیر خواہانہ نصیحت کا ثواب ملے گا کیونکہ حدیث میں ہے۔

اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ' وَنَهْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَةٌ

نیکی کا حکم دینا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے۔ (صحیح مسلم)

لہٰذا جب کسی شخص کو کوئی اچھی بات بتانے یا کسی نیکی کا مشورہ دینے کا موقع ملے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس کام کے لئے طریقہ ایسا اختیار کیا جائے۔ جس سے سننے والے کی رسوائی یا دل آزاری نہ ہو۔ مجمع میں روک ٹوک نہ کی جائے اور انداز متکبرانہ اور حقارت آمیز نہ ہو بلکہ تنہائی میں ایسے نرم لہجے کے ساتھ بات کہی جائے جس میں دل سوزی' دردمندی اور خیر خواہی

نمایاں ہو اس کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیا جائے جس میں سننے والے کا ذہن مشوش نہ ہو غرض حکمت اور خیر خواہی کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ.

''اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو۔''

(۱۸) صدقہ وخیرات: صدقہ وخیرات کی کثرت بھی انسان کے نامہ اعمال میں نیکیوں کے اضافے، گناہوں کی معافی اور دوزخ کے عذاب سے بچاؤ کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ قرآن و حدیث میں صدقے اور بھلائی کے کاموں میں پیسہ خرچ کرنے کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں جن کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ نے ''فضائل صدقات'' کے نام سے اس موضوع پر جو کتاب تحریر فرمائی ہے وہ اس موضوع پر بہت جامع کتاب ہے اس لئے یہاں قرآن وحدیث کے بیان کردہ ان فضائل کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو حضرات چاہیں وہ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

لیکن یہاں جس چیز کی طرف توجہ دلانی ہے۔ وہ یہ ہے کہ صدقہ وخیرات کے فضائل حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ زیادہ روپیہ ہی خرچ کیا جائے۔ بلکہ ہر شخص اپنی مالی حیثیت کے مطابق صدقہ خیرات کر کے یہ فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس ایک ہی روپیہ ہو اور وہ اس میں سے ایک پیسہ کسی نیک کام میں خرچ کر دے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ایک لاکھ روپے کا مالک ایک

ہزار روپے صدقہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر و قیمت اخلاص کی ہے۔ اخلاص کے ساتھ کم سے کم مقدار کا صدقہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے اور اس پر صدقہ و خیرات کے تمام فضائل حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ.

جہنم کی آگ سے بچو، خواہ ایک کھجور کے آدھے حصے ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یعنی اگر کسی شخص کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کوئی اور چیز نہ ہو اور وہ آدھی کھجور ہی کسی ضرورت مند کو دے دے تو اس سے بھی صدقے کا ثواب حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بھی گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ جن لوگوں کی مالی حالت کمزور ہو وہ بھی اپنے آپ کو صدقے کے فضائل سے محروم نہ سمجھیں بلکہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق کم سے کم خرچ کر کے بھی اس سعادت میں حصے دار بن سکتے ہیں۔

بعض لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کر بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں اور زکوٰۃ کے علاوہ ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کے روادار نہیں ہوتے بلکہ تمام بھلائی کے مصارف زکوٰۃ ہی سے پورے کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ایسا کرنا مناسب نہیں۔ زکوٰۃ تو ایک فریضہ ہے اور اس فریضے کے مصارف مخصوص ہیں۔ نیکی کے بہت سے کام ایسے ہیں جس میں زکوٰۃ خرچ نہیں ہو سکتی۔ مثلاً مسجد میں چندہ دینا وغیرہ۔ اس لئے کچھ رقم زکوٰۃ کے علاوہ بھی نیک مصارف میں خرچ کرتے رہنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے بزرگانِ دین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا کچھ فی صد حصہ خیرات کے لئے

مخصوص کرلیا کرتے تھے اور جب بھی کوئی آمدنی آتی' اس کا اتنا حصہ الگ کر کے ایک تھیلے یا لفافے میں رکھتے رہتے تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ تو اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ (بیس فی صد) ہمیشہ اس کام کے لئے الگ کرلیا کرتے تھے۔ بعض دوسرے بزرگ بیسواں حصہ یا دسواں حصہ نکال کرا لگ رکھ لیتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی خیرات کا مصرف سامنے آتا ہے۔ اس کے لئے سوچنا نہیں پڑتا بلکہ وہ لفافہ یاد دہانی کرتا رہتا ہے کہ میرے لئے کوئی نیک مصرف تلاش کرو اور وقت پر خیرات کرنے کے لئے پیسے کا انتظام کرنے میں تکلیف نہیں ہوتی اور آسانی سے مصارفِ خیر میں خرچ کرنے کی توفیق ہوتی رہتی ہے۔

ہر شخص اپنے مالی حالات کے پیش نظر اگر ایک مخصوص حصہ اس کام کے لئے الگ کرلیا کرے تو اجر وثواب حاصل کرنے کا یہ سلسلہ مستقل قائم ہو جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص پانچواں یا دسواں حصہ ہی مخصوص کرے' اپنے حالات کے مطابق جتنا کم سے کم حصہ بھی مقرر کر سکے۔ انشاءاللہ خیر ہی خیر ہے۔

صدقہ وخیرات میں اصل نیت تو اللہ کی خوشنودی کی رکھنی چاہئے لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ یہ بھی رہا ہے کہ صدقہ وخیرات کا معمول رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی بہت کچھ دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''صدقے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے رزق میں بھی برکت عطا فرماتے ہیں۔

(۲۰) معاف کر دینا: کسی شخص کو اگر دوسرے نے تکلیف پہنچائی ہے تو اسے شریعت کی حدود میں رہ کر بدلہ لینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر وہ بدلہ لینے کے بجائے اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بہت اجر وثواب ہے۔ قرآن کریم

میں ارشاد ہے:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا، أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔

"اور انہیں چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگذر سے کام لیں کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کریں؟"

یعنی کون شخص دنیا میں ایسا ہے جس سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو اور ہر شخص یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غلطی کو معاف فرمادیں لہٰذا اگر کسی دوسرے سے کوئی غلطی ہو جائے تو یہ سوچنا چاہیے کہ جس طرح میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواہش مند ہوں اسی طرح مجھے بھی دوسروں کو معاف کردینا چاہیے آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص دوسروں کو معاف کرنے کی روش اختیار کرے انشاء اللہ امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غلطیوں کی مغفرت فرمائیں گے۔

یہ بات متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ رَجُلٍ يُّصَابُ بِشَيْءٍ فِيْ جَسَدِهٖ فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهٖ خَطِيْئَةً۔

جس کسی شخص کے جسم کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور وہ اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرمادیتے ہیں اور اس عمل کی وجہ سے اس کا گناہ معاف فرماتے ہیں۔

جامع ترمذی میں ہے کہ ایک شخص کا دانت کسی نے توڑ دیا تھا وہ شخص حضرت معاویہؓ کے پاس بدلہ لینے کی غرض سے پہنچا۔ وہاں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اس کو اوپر والی حدیث سنادی تو اس نے بدلہ لینے کا ارادہ ترک کر کے اپنے مد مقابل کو

معاف کر دیا۔(جامع ترمذی۔کتاب الدیات۔حدیث ۱۴۱۲)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو معاف کرنے کے بجائے اس سے بدلہ لے یعنی اس کو بھی ویسی ہی تکلیف پہنچا دے تو اس سے اس کا کیا فائدہ ہوا؟ یا اگر کسی نے ایسی تکلیف پہنچائی ہے۔جس کا بدلہ لینا ممکن نہیں ہے تو اس کو معاف نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو آخرت میں عذاب ہوگا۔

یہاں بھی یہ سوچنا چاہیے کہ اگر اس کو آخرت میں عذاب ہوا تو اس سے مجھے کیا فائدہ ہے؟ اس کے برخلاف اگر اس کو معاف کر دیا تو اس سے میرے گناہ معاف ہوں گے' عذابِ جہنم سے نجات ملے گی اور اللہ تعالیٰ درجہ بلند فرمائیں گے۔لہٰذا عقل کی بات یہی ہے کہ معاف کر کے یہ فضیلت حاصل کی جائے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کسی کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا یا آخرت میں اس سے انتقام نہ لیا جائے اور بس! اگر کوئی شخص دوسرے کو اس طرح معاف کر دے تو یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس سے دل بھی کھل جائے۔کیوں کہ دل کا کھل جانا اختیاری بات نہیں ہوتی' وہ زیادہ تر دوسرے شخص کے آئندہ رویے پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا اگر دل میں اس شخص کی طرف سے انقباض رہا اور خوشگوار تعلقات قائم نہ ہو سکے لیکن اس شخص نے بدلہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا اور تعلقات صرف حقوق کی ادائیگی (سلام کا جواب وغیرہ) کی حد تک رکھے تب بھی انشاء اللہ معاف کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

اسی طرح معاف کرنے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس شخص کی طرف سے آئندہ اس قسم کی تکلیف پہنچنے کا سدباب نہ کیا جائے۔اگر اندیشہ ہو کہ وہ

شخص دوبارہ ایسی حرکت کرے گا تو اس کے سدباب کے لئے کوئی اقدام کرنا بھی معافی کے خلاف نہیں ہے، ایسی صورت میں اپنا سابقہ حق تو معاف کردیا جائے لیکن آئندہ اس کی تکلیف سے بچنے کے لئے بااختیار افراد سے مدد لے لی جائے تب بھی انشاءاللہ معافی کی فضیلت حاصل رہے گی۔

جب کبھی کسی شخص کے خلاف انتقام کا جذبہ پیدا ہو یہ سوچ لینا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ جب کافر لوگوں نے آپؐ پر پتھر برسائے اور اس سے آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا تب بھی آپؐ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِی، فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ.

''اے اللہ! میری قوم کو معاف کردیجئے، ان لوگوں کو حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری و مسلم)

(۲۱) نرم خوئی: لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے جس پر بہت ثواب ملتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِفْقَ، وَیُعْطِیْ عَلَی الرِّفْقِ مَالَا یُعْطِیْ عَلَی الْعُنْفِ، وَمَا لَا یُعْطِیْ عَلٰی مَاسِوَاہُ.

اللہ تعالیٰ نرمی کا معاملہ کرنے والے ہیں اور نرمی کے معاملے کو پسند فرماتے ہیں اور نرم خوئی پر وہ اجر عطا فرماتے ہیں جو تندی اور سختی پر نہیں دیتے۔ (بلکہ) کسی اور چیز پر نہیں دیتے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہؓ ایک اور حدیث نقل فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد

فرمایا:

اِنَّ الرِّفْقَ لَا یَکُوْنُ فِیْ شَیءٍ اِلَّا زَانَهٗ وَلَا یُنْزَعُ مِنْ شَیءٍ اِلَّا شَانَهٗ.

نرمی جس چیز میں بھی ہوگی اسے زینت بخشے گی اور جس چیز سے بھی ہٹا لی جائے گی اس میں عیب پیدا کردے گی۔(صحیح مسلم)

نرم خوئی کا مطلب یہ ہے کہ غصے سے مغلوب ہوکر سخت الفاظ یا سخت رویہ اختیار کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ دوسرے سے نرم الفاظ اور نرم لب ولہجہ میں بات کی جائے۔ اگر کسی کو ٹوکنا ہو یا اس سے اختلاف کا اظہار کرنا ہو تو اس کے لئے بھی ایسا انداز اختیار کیا جائے جس میں کھردرے پن اور درشتی کے بجائے خیرخواہی، تواضع اور دلسوزی کا پہلو نمایاں ہو، اگر کسی چھوٹے کی تربیت کے لئے اس پر غصہ کرنا ضروری ہو تو وہ بھی صرف بقدرِ ضرورت اور اعتدال کی حدود میں ہو۔

اسی طرح نرم خوئی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ بات بات پر لوگوں سے الجھنے، بحث کرنے یا جھگڑنے سے پرہیز کیا جائے اور لوگوں سے حتی الامکان حسن ظن کا معاملہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ جب کسی سے خرید وفروخت وغیرہ کا معاملہ کرنا پڑے تو اس میں بھی قیمت وغیرہ کے معاملے میں ضد اور بحث کا انداز اختیار نہ کیا جائے۔ اگر معاملہ قابل قبول ہو تو قبول کر لیا جائے اور قابل قبول نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے لیکن دوسرے کو اپنی بات ماننے پر مجبور کرنا اور زچ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَ اِذَا اشْتَرٰی وَ اِذَا اقْتَضٰی.

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرماتے ہیں جو نرم خو اور در گذر کرنے والا ہو۔
جب کوئی چیز بیچے اس وقت بھی جب کوئی چیز خریدے اس وقت بھی۔
اور جب کسی سے اپنے حق کا تقاضا کرے اس وقت بھی۔ (صحیح بخاری)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ لایا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ تو وہ کہے گا۔ "میرے پروردگار! آپ نے مجھے اپنا مال دیا تھا، میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کیا کرتا تھا اور میری عادت در گذر کرنے کی تھی۔ چنانچہ مالدار کے لئے آسانی پیدا کرتا اور تنگدست کو مہلت دیتا تھا۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں اس طرز عمل کا تم سے زیادہ مستحق ہوں" پھر آپ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ "میرے اس بندے سے در گذر کرو۔" (صحیح مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رشاد فرمایا:

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ.

جو شخص کسی تنگدست (مقروض) کو مہلت دے یا اس کو قرضے میں رعایت دے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عرش کے سائے میں رکھیں گے۔
جب کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ

مُعْسِرٍ اَوْيَضَعُ عَنْهُ.

جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی بے چینیوں سے اس کو نجات عطا فرمائیں۔ اس کو چاہیے کہ وہ کسی تنگدست کی مشکل آسان کرے یا اس کے قرضے میں رعایت دے۔ (صحیح مسلم)

(۲۲) صلح کرادینا: اگر دو مسلمانوں کے درمیان کوئی تنازعہ ہو تو ان کے درمیان صلح کرادینا بھی نہایت اجر و ثواب کا کام ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.

بلاشبہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں لہذا اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ.

پس اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو۔

قرآن کریم کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرادینا اور ان کے تعلقات کی درستی کی کوشش کرنا کتنا نیک عمل ہے۔ اس غرض کے لئے دونوں کو ایک دوسرے کی ایسی باتیں پہنچانی چاہئیں جن سے ان کے درمیان آپس میں محبت پیدا ہو اور غلط فہمیاں دور ہوں۔ یہاں تک کہ اس غرض کے لئے ایسی باتیں کہنا بھی جائز ہے جو بظاہر خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہوں مثلاً دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو ان میں سے کسی سے یہ کہہ دینا وہ شخص تو تمہارے لئے دعائے خیر کرتا ہے۔" اور دل میں یہ نیت کرلینا کہ "وہ تمام مسلمانوں کے لئے مغفرت کی عام دعا کرتا

ہے اور تمام مسلمانوں میں اس کا مد مقابل بھی داخل ہے۔ اس قسم کی باتوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِيْ خَيْرًا أَوْ يَقُوْلُ خَيْرًا.

وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان مصالحت کرائے اور کوئی بھلائی کی بات دوسرے تک پہنچائے یا کوئی بھلائی کا کلمہ کہے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

يَعْدِلُ بَيْنَ الاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ.

دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ (کی طرح موجب ثواب) ہے۔ (بخاری و مسلم)

لوگوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا کرنا ایک شیطانی عمل ہے اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو کسی عمل سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی دلوں میں پھوٹ ڈالنے سے خوشی ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ وہ اپنا سب سے بڑا کارنامہ اس کو سمجھتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دے اس کے برخلاف اگر دو مسلمانوں کے درمیان خاص طور سے میاں بیوی کے درمیان غلط فہمیاں دور کر کے ان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی جائے تو یہ انتہائی ثواب کا کام ہے۔

یہ بات خاص طور سے ان لوگوں کو یاد رکھنی چاہیے جو ایک ساتھ رہتے ہیں نیز ساس، بہو اور نند، بھاوج کے درمیان ہمارے معاشرے میں جو تنازعات ہوتے ہیں وہ عموماً اسلام کی اس تعلیم کو نظر انداز کرنے سے ہوتے ہیں۔ اگر اس تعلیم پر عمل کیا جائے

تو دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں۔

(۲۳) **یتیموں اور بیواؤں کی مدد:** یتیموں اور بیواؤں کی مدد بھی بہت فضیلت کا عمل ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ.

لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کے حالات درست کرنا بڑی بھلائی ہے۔

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّةِ ھٰکَذا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی وَفَرَّجَ بَیْنَھُمَا.

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اشارہ فرمایا۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث میں کسی یتیم کی سرپرستی کی اتنی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کی عظمت کا تصور بھی مشکل ہے۔ یعنی ایسا شخص جنت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور آپؐ سے نہایت قریب ہوگا۔ اس انتہائی قرب کو ظاہر کرنے کے لئے آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ یہ اس قسم کا قرب ہوگا جیسا کہ شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی ایک دوسرے سے قریب ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ یتیم کی سرپرستی کرنے والا خواہ اس کا کوئی رشتہ دار ہو مثلاً ماں،

دادا، بھائی وغیرہ یا رشتہ دار نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں وہ اس اجر وثواب کا حق دار ہوگا۔
(ریاض الصالحین ص ۱۱۸ بحوالہ مسلم)

اور بیوہ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّاعِیْ عَلَی الاَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، وَأَحْسِبُهُ قَالَ، وَکَالْقَائِمِ الَّذِیْ لَا یَفْتُرُ، وَکَالصَّائِمِ الَّذِیْ لَا یُفْطِرُ.

''جو شخص کسی بیوہ یا کسی مسکین کے لئے کوشش کرے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل بغیر کسی وقفے کے نماز میں کھڑا ہو اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو کبھی روزہ نہ چھوڑتا ہو۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے حسن سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جاتی ہو۔'' (الترغیب للمنذری ص ۱۴۷ ج ۴ بحوالہ ابن ماجہ)

قرآن وحدیث یتیموں اور بیواؤں کی مدد کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں لیکن ان چند ارشادات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو کتنا محبوب ہے لہٰذا جب کبھی کسی یتیم یا بیوہ کے ساتھ کسی بھلائی کا موقع ملے۔ اس کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے اور جس قسم کی بھلائی یا مدد کی توفیق ہو جائے اسے

غنیمت سمجھنا چاہیے۔ انشاء اللہ ان فضائل میں سے حصہ ضرور ملے گا بشرطیکہ نیت دکھاوے کی نہ ہو نہ احسان جتانا پیش نظر ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کام کیا جائے۔ جس کا ایک اثر یہ بھی ہونا چاہیے کہ اگر اس کی طرف سے کوئی شکریہ یا صلہ موصول نہ ہو تب بھی اس کام کو بے کار نہ سمجھے اور یہ سوچے کہ اجر اس سے نہیں اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوگا۔

(۴۴) اہل وعیال پر خرچ کرنا: اس دنیا میں کون ہے جو اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے کے انتظام کی فکر نہیں کرتا؟ بعض بے حس افراد کو چھوڑ کر تقریباً ہر شخص کی معاشی دوڑ دھوپ کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کے اہل وعیال خوشحالی اور فراغت کی زندگی بسر کریں لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات پر روپیہ پیسہ خرچ کرنا بہت ثواب کا کام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دینار وہ ہے جو تم اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرو، ایک دینار وہ ہے جو تم کسی غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کرو، ایک دینار وہ ہے جو کسی مسکین کو دینے میں خرچ کرو اور ایک دینار وہ ہے جو تم اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) پر خرچ کرو ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار کا ہے جو تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے گھر والوں پر خرچ کرنے کو دوسرے مصارف خیر پر خرچ کرنے سے افضل قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر والوں کا نفقہ انسان کے ذمے فرض ہے اور دوسرے مصارف خیر نفلی نوعیت کے ہیں اور ظاہر ہے کہ فرض کی ادائیگی کا ثواب نفل کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ گھر والوں پر خرچ کرنا اس وقت زیادہ ثواب کا حامل ہے جب گھر والے

ضرورت مند ہوں لیکن اگر ان کی ضروریات مناسب طریقے سے پوری کی جا چکی ہوں تو اس وقت دوسروں پر خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میرے جو بیٹے سابق شوہر ابو سلمہ سے ہیں۔ جب میں ان پر کچھ خرچ کرتی ہوں تو کیا اس پر بھی ثواب ملتا ہے؟ حالانکہ وہ میرے ہی بیٹے ہیں اور میں انہیں ایسے ویسے نہیں چھوڑ سکتی؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں'' تمہیں ان پر خرچ کرنے کا بھی ثواب ملے گا۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰی مَاتَجْعَلَ فِیْ فِیْ اِمْرَأَتِکَ.

جو کوئی خرچ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرو اس پر تمہیں ثواب ملتا ہے۔ یہاں تک کہ جو کھانا تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو اس پر بھی۔ (بخاری و مسلم)

ان تمام احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پوری کرنے کے لئے اس نیت سے خرچ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق مجھ سے وابستہ فرمائے ہیں۔ اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کو راضی کرنے کے لیے ان پر خرچ کر رہا ہوں تو ہر خرچ پر اس کو صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کا کیا ٹھکانا ہے کہ جو کام انسان خود اپنے دل کی تڑپ

کو پورا کرنے کے لیے کرتا ہی ہے۔ اس کو بھی ذرا سے زاویۂ نظر کی تبدیلی سے اتنے اجر و ثواب کا موجب بنا دیا ہے کہ دوسرے صدقات اور مصارفِ خیر سے بھی اس کا ثواب بڑھ گیا لہٰذا اہل و عیال کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر خوب خوش دلی سے خرچ کرنا چاہیے اور اس میں ہاتھ اور دل کو تنگ نہ رکھنا چاہیے۔

(۲۵) والدین کے ساتھ حسن سلوک: قرآن و حدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بہت تاکید آئی ہے۔ بندوں کے حقوق میں سب سے زیادہ حق والدین کا رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم نے بھی کئی مقامات پر والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.

(النساء:۳۶)

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

”وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا“ (العنکبوت:۸)

”اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کا حکم دیا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ”وقت پر نماز ادا کرنا۔“ میں نے پوچھا۔ ”اس کے بعد کون سا۔؟“ آپؐ نے فرمایا: ”والدین کے ساتھ حسن سلوک۔“ میں نے پوچھا ”پھر کون سا؟“ آپؐ

نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصولِ ثواب کی خاطر جہاد میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے پوچھا ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ''جی ہاں' دونوں زندہ ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''پھر تم جاؤ اور ان کی اچھی خدمت کرو۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''ان کی خدمت کر کے جہاد کرو۔'' (بخاری و مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر والدین کی خدمت کی ضرورت ہو تو جب تک جہاد فرض عین نہ ہو جائے۔ اس وقت تک ان کی خدمت میں مشغول رہنا جہاد میں جانے سے بھی افضل ہے اور یہ واقعہ عام طور سے مسلمان جانتے ہیں کہ حضرت اویس قرنیؒ یمن کے باشندے تھے اور آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لئے آنا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کی والدہ کو خدمت کی ضرورت تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے انہیں پاس آنے سے منع کر کے والدہ کی خدمت کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی زیارت نہ کر سکے۔ لیکن والدہ کی خدمت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام بخشا کہ بڑے بڑے صحابۂ کرامؓ بھی ان سے دعا کرواتے تھے۔ جب حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں وہ مدینہ طیبہ آئے تو حضرت عمرؓ انتہائی اشتیاق کے ساتھ ان سے ملنے اور ان کی دعا لینے کے لئے تشریف لے گئے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک عام حالات میں ایسا عمل ہے جس میں محنت و مشقت زیادہ نہیں۔ کیوں کہ ہر انسان کو فطری طور پر اپنے والدین سے محبت ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی خدمت اور حسن سلوک پر دل خود ہی آمادہ ہوتا ہے۔ دوسری

طرف والدین کو اپنی اولاد پر جو شفقت ہوتی ہے اس کی وجہ سے وہ خود اپنی اولاد سے ایسا کام لینا پسند نہیں کرتے جو اس کے لئے زیادہ مشکل ہو۔ بلکہ معمولی سی خدمت سے بھی خوش ہو جاتے ہیں اور دعائیں دیتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اتنا آسان بنا دیا ہے کہ ایک حدیث کی رو سے والدین کو ایک مرتبہ محبت کی نظر سے دیکھ لینا بھی ثواب میں حج اور عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ غرض والدین سے محبت رکھ کر ان کی اطاعت اور خدمت کر کے انسان اپنے نامۂ اعمال میں عظیم الشان نیکیوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر سکتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''وہ شخص ذلیل ہو، وہ شخص ذلیل ہو، وہ شخص ذلیل ہو جو اپنے والدین میں سے کسی کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر بھی جنت میں داخل نہ ہو سکے۔'' (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جس نے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اس کے لئے جنت کمانا کچھ مشکل کام نہیں تھا۔ وہ ان کے ساتھ محبت اور ان کی خدمت کر کے بڑی آسانی سے جنت حاصل کر سکتا تھا لیکن جس شخص نے اس بات کی بالکل پروا نہیں کی وہ ذلیل ہونے کے لائق ہے۔

والدین میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے ماں کی خدمت کا حق زیادہ رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آکر پوچھا ''یا رسول اللہ! تمام لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''تمہاری ماں۔'' انہوں نے پوچھا۔ ''پھر کون؟'' آپ نے فرمایا ''تمہاری ماں۔'' انہوں نے پھر پوچھا۔ ''اس کے بعد کون؟'' آپ نے پھر فرمایا ''تمہاری ماں۔'' انہوں نے چوتھی بار پوچھا کہ ''پھر

کون؟" اس موقع پر آپؐ نے فرمایا۔ "تمہارا باپ۔" (بخاری ومسلم)

اس حدیث کی بنا پر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ماں کا حق باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی پرورش میں جس قدر تکلیف ماں اٹھاتی ہے۔ باپ اتنی نہیں اٹھاتا۔ ماں کی تکلیفوں کا ذکر قرآن کریم نے خاص طور پر فرمایا ہے۔ دوسرے ماں کو باپ کے مقابلے میں عموماً خدمت کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماں کی خدمت کو زیادہ فوقیت عطا فرمائی ہے۔

یوں تو والدین کی خدمت ہر حالت میں انسان کے بنیادی فرائض میں سے ہے لیکن خاص طور پر جب وہ ضعیف اور بوڑھے ہو جائیں تو قرآن و حدیث میں ان کی خدمت اور دلداری پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَقَضیٰ رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوآ اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلَاھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَاتَنْھَرْ ھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا.

(بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴)

اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین سے حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہو۔ نہ ان کو جھڑکو اور ان سے عزت کی بات کہو اور ان پر رحم کے سبب ان کے آگے اپنے آپ کو پست رکھو اور یہ کہو کہ پروردگار! ان پر رحم کیجیے۔ جیسے انہوں نے مجھے بچپن کی حالت میں پالا تھا۔

بڑھاپے میں والدین کی خدمت پر اس لئے زیادہ زور دیا گیا ہے کہ عموماً وہ اس حالت میں اولاد کو کوئی جسمانی یا مالی فائدہ پہنچانے کے لائق نہیں رہتے۔ اس لئے بعض خود غرض لوگ ایسے وقت میں ان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں نیز بڑھاپے میں بعض اوقات ان کے اندر چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ان کی باتیں ناگوار ہونے لگتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے کہ ایسے موقع پر خیال کرو کہ تمہارے بچپن میں انہوں نے تمہاری خاطر زیادہ محنت اٹھائی ہے اور تمہاری نہ جانے کتنی ناز برداریاں کی ہیں لہٰذا اب تمہارا فرض ہے کہ ان کے ناز اٹھاؤ اور ان کی ناگوار باتوں پر صبر کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک میں کمی نہ آنے دو۔

بعض مرتبہ لوگ والدین کی زندگی میں ان کی خدمت اور حسن سلوک سے غافل رہتے ہیں لیکن جب ان کا انتقال ہو جاتا ہے تو حسرت کرتے ہیں کہ ہم نے زندگی میں ان کی کوئی خدمت نہ کی اور اب یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس لئے ان کی زندگی ہی میں اس دولت کی قدر پہچاننی چاہیے۔

تاہم والدین کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت حاصل کرنے کا دروازہ بالکل بند نہیں ہوتا۔ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دن آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلمہ کا ایک شخص آپؐ کے پاس آیا اور اس نے آکر پوچھا "یارسول اللہ! کیا میرے والدین کی موت کے بعد بھی کوئی ایسا طریقہ باقی رہ گیا ہے جس کے ذریعے میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرسکوں؟" اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نَعَمْ، الصَّلاۃُ عَلَیْھِمَا، وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا وَاِنْفَاذُ عَھْدِھِمَا مِنْ بَعْدِھِمَا، وَصِلَۃُ الرَّحْمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِھِمَا وَ اِکْرَامُ

صِدِیْقِهِمَا.

''جی ہاں' ان کے حق میں دعا کرنا' ان کے لئے استغفار کرنا۔ ان کے بعد ان کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنا اور جن رشتوں کا تعلق ان ہی سے ہے ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔'' (ابوداؤد)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مرحوم والدین کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت حاصل کرنے کے طریقے ارشاد فرما دیئے ہیں جن پر ساری عمر عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۲۶) والدین کے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حسن سلوک: جیسا کہ پچھلی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک بڑے ثواب کا عمل ہے اسی طرح والدین کے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِ اَنْ یَّصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ اَبِیْهِ

بہت سی نیکیوں کی ایک نیکی ہے کہ انسان اپنے باپ کے اہل محبت سے تعلق جوڑے رکھے (اور اس تعلق کو نبھائے)۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد عبداللہ بن دینارؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ یوں تو وہ اونٹنی پر سوار تھے۔ لیکن ایک گدھا بھی ساتھ تھا جب اونٹنی کی سواری سے اکتا جاتے تو کچھ دیر اس گدھے پر سواری کر لیتے تھے' اتنے میں ایک دیہاتی شخص راستے میں ملا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کا اور اس کے والد

کا نام پوچھا جب اس نے بتا دیا تو آپ نے اپنا گدھا اس کو دے دیا اور اپنا عمامہ بھی اتار کر اس کو تحفۃً دے دیا۔ ساتھیوں نے کہا کہ دیہاتی لوگ تو ذرا سی چیز سے بھی خوش ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اس شخص کو اتنی قیمتی چیزیں کیوں دیں؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اس شخص کے والد میرے والد کے دوست تھے اور میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "بہت سی نیکیوں کی ایک نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے اہل محبت سے تعلق جوڑے رکھے۔" (مسلم)

لہٰذا اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اضافے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ والدین کے عزیزوں اور دوستوں سے تعلقات نبھائے جائیں اور ان سے حسن سلوک کیا جائے۔

(۲۷) میاں بیوی کا آپس میں حسن سلوک: میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اس کی ضروریات کا خیال رکھنا اس کے ساتھ خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرنا اور اس کی ناگوار باتوں پر صبر کرنا بھی بہت ثواب کا کام ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ. (جامع ترمذی)

مسلمانوں میں کامل ترین ایمان ان لوگوں کا ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھے ہوں اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہترین ہوں۔

وہ حدیث پیچھے گذر ہی چکی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کھانے کی چیز تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو اس پر بھی تمہیں ثواب ملتا ہے۔ بلکہ ایک

حدیث میں ہے کہ میاں بیوی آپس میں جو جنسی عمل کرتے ہیں اس پر بھی ثواب ہے۔ بعض صحابۂ کرامؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم لوگ اپنی نفسانی خواہش پوری کرتے ہیں، کیا اس پر بھی اجر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بھلا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص یہ خواہش حرام طریقے پر پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ نہ ہوتا؟ (یقیناً ہوتا) تو جو شخص اسے حلال طریقے سے پورا کر رہا ہے اس کو اجر ملے گا۔'' (صحیح مسلم)

بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ جب شوہر گھر میں آ کر اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور بیوی شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میاں بیوی چونکہ ہر وقت ساتھ رہتے اور طویل مدت تک ایک ساتھ زندگی گذارتے ہیں۔ اس لئے کبھی نہ کبھی ایک دوسرے سے ناگواری پیش آ جانا بھی ایک فطری سی بات ہے۔ لیکن اگر اس ناگواری کو لڑائی جھگڑے اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کا ذریعہ بنا لیا جائے تو دنیا کی مسرتیں بھی غارت ہو جاتی ہیں اور میاں بیوی کے آپس میں حسن سلوک کا اجر و ثواب بھی ضائع ہو جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے مواقع کے لئے بھی بڑا زریں دستور العمل عطا فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن باتوں سے ناگواری ہو رہی ہے۔ صرف ان ہی کو نہ دیکھو۔ یہ بھی سوچو کہ جس کی باتیں ناگوار ہو رہی ہیں، اسی میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں۔ ان خوبیوں پر دھیان دینے سے ناگواری میں یقیناً کمی آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا. (النساء)

پھر اگر تم ان (بیویوں کو ناپسند کرتے ہو تو (یہ سوچو کہ) عین ممکن ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت بھلائی رکھی ہو۔

اور ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

لَایَفْرُکُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَۃً، اِنْ کَرِہَ مِنْھَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْھَا آخَرَ.

کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے کلی طور پر بغض نہ رکھے، اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہوگی تو کوئی دوسری بات پسند بھی ہوگی۔

اگر میاں بیوی اس اصول پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے سے محبت کے ساتھ زندگی گذاریں اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کی پوری کوشش کریں تو ان کی ازدواجی زندگی مسرتوں سے مالا مال بھی ہو جائے گی اور حسن سلوک کی وجہ سے دونوں کے اجر وثواب میں بھی زندگی بھر اضافہ ہوتا رہے گا۔

(۲۸) صلہ رحمی: رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کو "صلہ رحمی" کہا جاتا ہے اور "صلہ رحمی" بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے جس پر اللہ تعالیٰ بہت ثواب عطا فرماتے ہیں۔ قرآن کریم نے بھی کئی مقامات پر صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور اس کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی. (النساء:۳۶)

اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ۔

نیز ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ. (النساء:۱)

اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے (حقوق کے) مطالبے کرتے ہو اور رشتہ داریوں کے حقوق کا خیال رکھو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ. (بخاری و مسلم)

جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ. (بخاری و مسلم)

جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر لمبی ہو۔ اسے چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرے۔

صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے' ان کے دکھ سکھ میں شامل رہے۔ ان کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو جائز طور پر ان کی مدد کرے۔

لیکن ''صلہ رحمی'' کے بارے میں چند باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں۔

- بعض لوگ رشتہ داروں کی رعایت اس حد تک کرتے ہیں کہ اس کام کے لئے گناہوں کے ارتکاب سے بھی دریغ نہیں کرتے' اور اپنے اس عمل کو ''صلہ رحمی'' کا حصہ سمجھتے ہیں۔ مثلاً رشتہ داروں کے اصرار پر کسی گناہ میں شریک ہو جانا' ان کی ناجائز سفارش کر دینا یا انہیں ایسی ملازمت دلوا دینا جس کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ یاد رکھئے کہ یہ باتیں ہرگز جائز نہیں ہیں اور ''صلہ رحمی'' کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ رشتہ داروں کی خاطر یا ان کی مروت میں گناہوں کا ارتکاب کیا جائے۔ لہٰذا جب کوئی رشتہ دار کسی

ناجائز کام کو کہے تو اس سے نرمی کے ساتھ معذرت کر دینا ضروری ہے۔

❷ دوسری بات یہ ہے کہ ''صلہ رحمی'' اس وقت موجب ثواب ہوتی ہے۔ جب اس کا مقصد اپنے رشتے دار کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خوش کرنا ہو اگر محض بدلہ' دکھاوا یا رسموں کی پابندی میں کوئی کام کیا جائے تو اس پر ''صلہ رحمی'' کی فضیلت حاصل ہونی مشکل ہے۔ ہمارا معاشرہ اس وقت رسموں کے بندھن میں جکڑا ہوا ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ معاملات میں زیادہ تر یہ بات پیش نظر رہتی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو برادری میں ناک کٹ جائے گی۔ چنانچہ محض رسم پوری کرنے کی خاطر بہت سے کام کئے جاتے ہیں' اندر سے ان کاموں کو دل نہیں چاہتا۔ اس طرح کے خیالات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اور کسی رشتہ دار کے ساتھ جو کوئی نیکی کا معاملہ کیا جائے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت کی جائے اور وہ کام خوش دلی سے کیا جائے۔ محض رسم کی خاطر شرما شرمی کوئی کام کرنے سے کلی پرہیز کیا جائے۔

چونکہ ''صلہ رحمی'' خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہونی چاہیے۔ اس لئے دوسری طرف سے اس کے بدلے کا انتظار بھی نہ کرنا چاہیے اور اگر دوسری طرف سے اس کا اچھا جواب نہ ملے۔ تب بھی ''صلہ رحمی'' کو چھوڑنا نہیں چاہیے اور در حقیقت یہی بات اس کی علامت ہے کہ ''صلہ رحمی'' اللہ کے لئے ہو رہی ہے یا محض دکھاوے اور نام و نمود کے لئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا. (صحیح بخاری)

وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو دوسروں کا بدلہ چکائے۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسرے اس کی رشتہ داری کی حق تلفی

کریں تب بھی یہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الصَّدَقَةُ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ الْکَاشِحِ

سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو بغض رکھنے والے رشتے دار کو دیا جائے۔ (حاکم وطبرانی، الترغیب والترہیب۔ ص ۳۱۳ ج ۴)

جب رشتہ داروں کی طرف سے اچھا معاملہ نہ ہو رہا ہو۔ اس وقت ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا درحقیقت ''صلہ رحمی'' کا کمال ہے اور اس پر بے حد اجر و ثواب کے وعدے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں مگر وہ میری حق تلفی کرتے ہیں۔ میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان سے بردباری کا معاملہ کرتا ہوں اور وہ مجھ سے جھگڑتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ''اگر واقعی ایسا ہے تو گویا تم انہیں گرم راکھ کھلا رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک مددگار رہے گا۔'' (صحیح مسلم)

یعنی وہ اپنے عمل سے دوزخ خرید رہے ہیں اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے خلاف تمہاری مدد ہوگی۔

(۲۹) پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک: اللہ تعالیٰ نے پڑوسی کے بہت حقوق رکھے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

مَازَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَیُوَرِّثُهٗ.

(بخاری و مسلم عن ابن عمرؓ و عائشہؓ)

جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں اتنی کثرت سے نصیحت

کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید وہ اس کو وزاثت میں بھی حق دار قرار دے دیں گے۔

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰى جَارِهٖ

جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ (صحیح مسلم)

اور حضرت ابوہریرہؓ آپؐ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ.

جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ (بخاری ومسلم)

پڑوسی کا سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ اپنے ہر کام میں اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ اپنی ذات سے اس کو تکلیف نہ پہنچے اس کے علاوہ ضرورت کے موقع پر اس کی مدد کرنا۔ کبھی کبھی اس کو کچھ ہدیہ بھیج دینا۔ اس کے دکھ سکھ میں شریک رہنا۔ یہ سب باتیں موجب اجر وثواب ہیں۔ اگر وہ ضرورت مند ہو تو اس کی مالی مدد کا بھی اہتمام کرنا چاہیے کیوں کہ پڑوسی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ معاشی اور سماجی اعتبار سے اپنا ہم پلہ ہو۔ اگر کچھ غریب لوگ اپنے پڑوس میں آباد ہیں تو وہ بھی پڑوسی ہیں اور ان کے حقوق اس لحاظ سے زیادہ ہیں کہ ان کی خبر گیری دوسروں سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر کوئی پڑوسی بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلانا صرف موجب ثواب ہی نہیں، فرض ہے۔ اسی طرح پڑوسی اگر غیر مسلم بھی ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہاں ایک مرتبہ ایک بکری ذبح ہوئی۔ آپؓ کے

پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ آپ بار بار گھر والوں کو تاکید کرتے رہے کہ اس یہودی پڑوسی کو بھی گوشت کا ہدیہ بھیجو۔ (ابوداؤد و ترمذی)

(۳۰) خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی: لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس پر بھی اجر ملتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّ لَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ. (صحیح مسلم)

نیکی کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھو، خواہ وہ نیک کام یہ ہو کہ تم اپنے بھائی سے کھلے ہوئے چہرے (خندہ پیشانی) سے ملو۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے دوسروں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کو ایک نیکی قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اس نیکی کو کوئی معمولی یا حقیر نیکی نہ سمجھو، مطلب یہ ہے کہ اس پر بھی تمہارے نامۂ اعمال میں بڑے ثواب کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِيْ مِيْزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاَنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ.

قیامت کے دن مومن بندے کی میزان میں کوئی چیز خوش خلقی سے زیادہ وزنی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش گو اور بے ہودہ گو شخص کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ انسانوں کو جنت میں داخل کرنے والی چیز کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ''تقویٰ اور خوش اخلاقی'' (جامع ترمذی)

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا

تمام مومنوں میں کامل ترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔ (ترمذی)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ

مومن اپنے حسن اخلاق سے اس شخص کے درجے تک پہنچ جاتا ہے جو روزہ دار اور نماز میں کھڑا رہنے والا ہو (یعنی نفلی روزے بہت رکھتا ہو اور نفلی نمازیں بہت پڑھتا ہو) (ابوداؤد)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَ أَقْرَبِكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا. (ترمذی)

تم میں سے جو لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جو قیامت کے دن مجلس میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے، وہ لوگ ہیں جو تم

میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔

ان تمام احادیث میں جس خوش اخلاقی کی عظیم فضیلتیں بیان کی گئی ہیں وہ اگر چہ ایک وسیع مفہوم رکھتی ہیں لیکن دوسروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اس کا ایک اہم حصہ ہے اور اس پر بھی یہ فضائل صادق آتے ہیں۔

(۳۱) ہم سفر سے حسن سلوک: جس طرح اللہ تعالٰی نے مکان کے پڑوسی کے بہت حقوق رکھے ہیں۔ اسی طرح ہم سفر کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں۔ ہم سفر سے مراد وہ شخص ہے جس سے خواہ پہلے جان پہچان نہ ہو لیکن کسی سفر کے دوران وہ ساتھ ہو گیا ہو۔ مثلاً بسوں، ریلوں اور ہوائی جہاز میں اپنے قریب بیٹھنے والا۔ اس کو قرآنِ کریم کی اصطلاح میں ''صاحب بالجنب'' کہا گیا ہے۔ یعنی وہ ہم سفر جو تھوڑے وقت کے لیے پڑوسی بنا ہو۔ اس کا حق یہ ہے کہ اپنے کسی عمل سے اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ بعض لوگ سفر میں اپنے آرام کی خاطر اپنے ہم سفروں کو تکلیف پہنچانے سے گریز نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ سوچنا چاہیے کہ سفر تو ایک مختصر وقت کے لیے ہوتا ہے جو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتا ہے۔ لیکن اگر اپنے کسی عمل سے اپنے ہم سفر کو ناحق کوئی تکلیف پہنچی تو اس کا گناہ اور شدید گناہ ہمیشہ کے لیے اپنے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اور یہ گناہ چونکہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے صرف توبہ سے معاف نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ہم سفر اس کو معاف نہ کرے اور عموماً جن لوگوں سے سفر میں ملاقات ہوتی ہے۔ سفر کے بعد نہ ان سے کبھی ملاقات ہوتی ہے نہ ان کا پتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے معافی کرالی جائے۔ اس لیے سفر کے اختتام کے بعد اس گناہ کی معافی کا عام حالات میں کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اس لحاظ سے ہم سفر کو تکلیف پہنچانے کا گناہ انتہائی سنگین گناہ ہے جس کی معافی بہت

مشکل ہے۔

دوسری طرف اگر ہم سفر کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ حتی الامکان ایثار سے کام لیا جائے اور اس کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے یا کم از کم اس سے خندہ پیشانی کا معاملہ کیا جائے تو یہ بہت ثواب کا کام ہے اور معمولی توجہ سے ثواب کا ایک بڑا خزانہ اپنے لیے جمع کیا جا سکتا ہے۔

(۳۲) اللہ کے لیے ملاقات: کسی مسلمان سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کے لیے جانا بھی بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ اور اللہ کے لیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ملاقات کا مقصد کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنا نہ ہو بلکہ یا تو اس لیے اس سے ملاقات کی جائے کہ وہ ایک نیک آدمی ہے یا کوئی عالم ہے اور اس کی صحبت سے اپنی اصلاح مقصود ہے یا اس لیے ملاقات کی جائے کہ اس کا دل خوش ہو اور مسلمان کا دل خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی یہ ملاقات اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سمجھی جائے گی اور ان شاء اللہ اس پر اجر ملے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَادَ مَرِيْضًا اَوْزَا رَأخًا لَهُ فِيْ اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ بِأَنْ طِبْتَ وَ طَابَ مَمْشَاكَ وتَبوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا.

جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرے یا اپنے کسی بھائی کے پاس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کو جائے۔ اس کو ایک (غیبی) منادی پکار کر کہتا ہے کہ: ''تو بھی مبارک، تیرا چلنا بھی مبارک اور تو نے جنت کی ایک منزل میں ٹھکانہ بنالیا۔ (ترمذی، وقال: حسن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان سے بہ نیت ثواب ملنے سے بھی نامۂ

اعمال میں نیکیوں کا بہت اضافہ ہوتا ہے۔لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حکم ان ہی لوگوں سے ملاقات کرنے کا ہے۔ جن کی ملاقات سے اپنا کوئی دینی نقصان نہ ہو۔ اس کے برخلاف اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس کی ملاقات کے نتیجے میں کسی گناہ میں مبتلا ہونا پڑے گا یا اس کی بری صحبت سے اپنے اوپر برا اثر پڑے گا یا غیبت وغیرہ کرنی یا سننی پڑے گی یا بے فائدہ باتوں سے بہت سا وقت ضائع ہو جائے گا تو ایسی صورت میں ایسی ملاقات اور صحبت سے بچنا ہی بہتر ہے۔

(۳۳) مہمان کا اکرام: مہمان کی عزت اور مناسب خاطر داری بھی ایمان کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ ہے جس کی اسلام میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ.

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ (بخاری ومسلم)

مہمان کے اکرام کا مطلب یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم کیا جائے۔ اگر کھانے کا وقت ہو تو بقدر استطاعت کھانے سے اس کی تواضع کی جائے۔ بلکہ ایک حدیث کی رو سے یہ بھی مہمان کا حق ہے کہ اگر استطاعت ہو تو پہلے دن اس کے لیے کوئی خصوصی کھانا تیار کیا جائے جس کو حدیث میں ''جائزہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری۔ عن ابی شریح رضی اللہ عنہ)

البتہ ان تمام باتوں میں محض رسمیات، نام ونمود اور تکلفات سے پرہیز کرنا چاہیے مہمان کے اکرام کا سب سے اول مطلب یہ ہے کہ اس کو آرام پہنچانے کی فکر کی جائے لہٰذا اگر اسے کھانے سے تکلیف ہو تو محض رسم کی خاطر کھانے پر اصرار کرنا اکرام

کے خلاف ہے۔ ایسی صورت میں اس کا اکرام یہی ہے کہ اس کے آرام اور منشاء کو مدنظر رکھا جائے۔

دوسری طرف مہمان کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ میزبان پر ناواجبی بوجھ نہ ڈالے اور اتنی دیر اس کے پاس نہ ٹھہرے جس سے اس پر بار ہونے لگے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے۔

(۳۴) راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا: اگر راستے میں کوئی گندگی پڑی ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس سے گذرنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی کانٹا' کوئی رکاوٹ' کوئی ایسا چھلکا جس سے پھسل کر گرنے کا خطرہ ہو۔ اس کو راستے سے ہٹا دینا بھی بڑی نیکی کا کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلایْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ. (بخاری و مسلم)

ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں۔ ان میں سے افضل ترین لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے۔ اور ادنیٰ ترین راستے سے تکلیف (یا گندگی) کو دور کر دینا ہے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد حضرت ابو ہریرہؓ نے ہی روایت کیا ہے کہ:

وَتُمِيْطُ الاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ. (بخاری و مسلم)

اور راستے سے گندگی (یا تکلیف کی چیز کو) دور کرو تو یہ بھی صدقہ ہے (یعنی اس پر صدقے کی طرح ثواب ملتا ہے)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِي آدَمَ عَلَى سِتِّينَ وَ ثَلَاثِمِائَةِ مُفْصَلٍ. فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَاللّٰهَ وَهَلَّلَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْمًا عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ أَمَرَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ السِّتِّينَ وَالثَّلَاثِمِائَةِ' فَإِنَّهُ يَمْشِي يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ.

بنی آدم میں ہر انسان کے (جسم میں) تین سو ساٹھ جوڑ پیدا کئے گئے ہیں۔ پس جو شخص اللہ کی تکبیر کہے، اللہ کی حمد کرے اور لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کہے اور اللہ سے استغفار کرے اور لوگوں کے راستے سے کوئی پتھر ہٹا دے یا کوئی کانٹا یا کوئی ہڈی راستے سے ہٹا دے یا کسی نیکی کا حکم دے یا کسی برائی سے روکے (اور اس قسم کی نیکیاں) تین سو ساٹھ کے عدد تک پہنچ جائیں تو وہ اس دن اپنے آپ کو عذابِ جہنم سے دور کر لے گا۔ (صحیح مسلم)

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے راستہ چلتے ہوئے ایک کانٹے دار شاخ زمین پر پڑی ہوئی دیکھی اور لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی خاطر اسے راستے سے ہٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرما کر اس کی مغفرت فرما دی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایسے شخص کو جنت میں چلتے پھرتے دیکھا۔ (صحیح مسلم)

ان احادیث سے واضح ہے کہ گذرگاہوں کو صاف ستھرا رکھنے اور لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی اسلام میں کتنی اہمیت ہے کہ ایک کانٹے دار شاخ کو راستے سے ہٹا دینے پر جو ایک چھوٹا سا عمل نظر آتا ہے اتنے اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور جب تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی اس قدر ترغیب دی گئی ہے تو راستے کو گندگی سے آلودہ کرنا جس سے گذرنے والوں کو تکلیف ہو کتنا بڑا گناہ ہوگا اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ گذرنے والوں کے لیے تکلیف کا سامان پیدا کرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اپنی سواری (کار' موٹر سائیکل وغیرہ) کو ایسی جگہ کھڑا کر دیا جائے۔ جس سے دوسری سواریوں کا راستہ بند ہو جائے۔ یا ان کو چلنے میں دشواری کا سامنا ہو۔ یا اس طرح بے قاعدہ گاڑی چلائی جائے جس سے دوسروں کو کسی بھی اعتبار سے تکلیف ہو' یہ ساری باتیں گناہ ہیں' اور ان سے پرہیز کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا دوسرے کسی گناہ کبیرہ سے۔

اسی طرح ٹریفک کے جو قواعد مقرر کیے گئے ہیں ان کا مقصد گذرگاہوں میں نظم و ضبط پیدا کرنا ہے اور ان کی پابندی صرف قانون کا تقاضا ہی نہیں ہے' ایک دینی فریضہ بھی ہے۔ اگر ان کی پابندی اس نیت سے کی جائے کہ اس سے معاشرے میں نظم و ضبط پیدا ہوگا' لوگوں کو راحت ملے گی اور ان کو تکلیف سے بچانے کی ممکنہ کوشش ہو سکے گی تو ان سب اعمال پر انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا اور اگر ان قواعد کی خلاف ورزی کی جائے تو اس سے دوہرا گناہ ہوگا' ایک لوگوں کو تکلیف پہنچانے کا اور دوسرے نظم و ضبط میں خلل ڈالنے اور ذمہ داروں کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کا۔

افسوس ہے کہ آج کل ان باتوں کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا اور اچھے خاصے بظاہر دیندار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس قسم کے گناہوں میں بے محابا مبتلا رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(۳۵) جھگڑے سے پرہیز: لڑائی جھگڑا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ قرآن کریم میں جھگڑالو آدمی کی بہت مذمت کی گی ہے اس کے برخلاف حلم، بردباری اور جھگڑے سے پرہیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور ایسے شخص کو اجر و ثواب سے نوازتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کے ایک شخص سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ.

تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں: بردباری اور تمکنت۔ (صحیح مسلم)

چنانچہ اگر کوئی شخص حق پر ہونے کے باوجود محض رفع شر اور لڑائی جھگڑے سے بچنے کی خاطر اپنا حق چھوڑ دے یا صلح کر لے۔ اس کو آنحضرت ﷺ نے بہت عظیم بشارت دی ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَ إِنْ كَانَ مُحِقًّا. (سنن ابوداؤد)

میں اس شخص کو جنت کے کناروں پر گھر دلوانے کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا چھوڑ دے خواہ وہ حق پر ہو۔

جس شخص کو جنت میں پہنچانے بلکہ جنت میں گھر دلوانے کی ضمانت آنحضرت ﷺ نے لے لی ہو۔ اس کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانہ ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ دولت

تمام مسلمانوں کو عطا فرمائیں۔آمین

(۳۶) دین کی بات سیکھنا: ہر مسلمان کے ذمے فرض ہے کہ وہ اپنے دین کی اتنی معلومات حاصل کرے۔ جن کے ذریعے وہ اپنی روزمرہ کی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گذار سکے۔ ہر شخص کا پورا باضابطہ عالم دین بننا ضروری نہیں لیکن بقدر ضرورت دینی معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ مثلاً نماز روزے اور حج زکوٰۃ کے ضروری مسائل جس قسم کے معاملات اس کی زندگی میں پیش آتے ہیں ان کے بارے میں حلال وحرام اور جائز ناجائز کے احکام وغیرہ۔

پھر جہاں اللہ تعالیٰ نے دین کی ضروری باتیں سیکھنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ وہاں اس عمل پر بڑے اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں۔ یعنی دین سیکھنے کا ہر عمل ایک مستقل نیکی ہے جس کی بہت فضیلتیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَبْتَغِيْ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا صَنَعَ. (ابوداؤد وترمذی)

جو شخص اس غرض کے لیے کسی راستے پر چلے کہ علم کی کوئی بات سیکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان فرما دیں گے اور علم طلب کرنے والے کے لیے اس کے عمل پر اظہارِ خوشنودی کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

اس فضیلت میں وہ طلبہ علم تو داخل ہیں ہی جو باقاعدہ علم دین کی تحصیل کے لیے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں۔ لیکن جو لوگ پورے عالم دین بننے کی نیت سے نہیں

بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق دین کی کوئی بات سیکھنے کے لیے کہیں جاتے ہیں یا ضرورت کے وقت کسی عالم یا مفتی سے کوئی مسئلہ پوچھنے جاتے ہیں یا کسی وعظ و نصیحت میں اس نیت سے شریک ہوتے ہیں کہ دین کی باتیں سیکھیں گے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ ایسے لوگ بھی اس فضیلت میں حصہ دار ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ.

(جامع ترمذی)

جو شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلے تو وہ اللہ کی راہ میں ہے جب تک کہ واپس نہ آجائے۔

غرض دین کی کوئی بات سیکھنے کے لیے جو اقدام کیا جائے۔ انشاء اللہ اس پر طلب علم کا اجر و ثواب حاصل ہوگا۔ یہاں تک کہ اس غرض سے مستند دینی اور اصلاحی کتابوں کے مطالعے پر بھی اسی اجر و ثواب کی پوری امید ہے بشرطیکہ کتابیں مستند ہوں۔ جس کے لیے مناسب یہ ہے کہ کسی عالم سے پوچھ کر کتابوں کا انتخاب کیا جائے۔ لہٰذا جہاں کہیں سے دین کی کوئی بات سیکھنے کا موقع ملے اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اس سے اپنی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ زندگی سنوارنے میں بھی مدد ملتی ہے اور نیکیوں میں مستقل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ علم ایسا ناپیدا کنار سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے۔ لیکن مزید علم کی طلب اس کو بھی رہتی ہے اور رہنی چاہیے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ جو شخص علم کا حریص ہو اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا یعنی وہ ہر مرحلے پر مزید علم کی تلاش میں رہتا ہے اور نیکیوں کے حصول کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔

(۴۷) دین کی بات سکھانا: جس طرح دین کی بات سیکھنا بڑے ثواب کا کام ہے اسی طرح کسی کو دین کی بات سکھانا اس سے بھی زیادہ فضیلت کا عمل ہے۔ بشرطیکہ اس کا مقصد اپنا علم جتانا اور بڑائی ظاہر کرنا نہ ہو بلکہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا' وَحَتّٰى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِى النَّاسِ الْخَيْرَ.

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمان وزمین کی مخلوقات یہاں تک کہ اپنے بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں اور یہاں تک کہ مچھلیاں ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی بات سکھاتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَأَنْ يَّهْدِىَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ مِّنْ حُمْرِ النِّعَمِ. (بخاری ومسلم)

اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

''سرخ اونٹ'' عرب میں بہت بڑی دولت شمار ہوتے تھے۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ تمہاری تعلیم وتربیت سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت ہو جائے تو یہ تمہارے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بہتر ہے۔

لہٰذا جب کسی شخص کو دین کی کوئی بات بتانے کا موقع ہو تو اس کو غنیمت سمجھ کر

یہ فضیلت حاصل کرنی چاہیے۔ خاص طور پر اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں کو دین کی باتیں سکھاتے رہنا چاہیے کہ یہ انسان کے حق میں بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے۔

(۳۸) **بڑوں کی عزت:** اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اصل فضیلت تقویٰ اور علم کو حاصل ہے لیکن ساتھ ہی چھوٹی عمر والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے بڑی عمر والوں کی عزت کریں۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَ یَعْرِفْ شَرْفَ کَبِیْرِنَا.

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی عزت نہ پہچانے۔ (ابوداؤد و ترمذی)

خاص طور سے جس شخص کے بال سفید ہو گئے ہوں اس کی عزت واحترام کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ.

یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ایک حصہ ہے کہ کسی سفید بالوں والے مسلمان کا احترام کیا جائے۔ (ابوداؤد)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا اَکْرَمَ شَابٌّ شَیْخًا لِسِنِّہٖ اِلَّا قَیَّضَ اللّٰہُ لَہٗ مَنْ یُّکْرِمُہٗ عِنْدَ سِنِّہٖ. (ترمذی وقال: غریب)

جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے عزت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسے لوگ مقرر فرما دیتے ہیں جو اس کی بڑی عمر میں اس کی

عزت کریں۔

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ اگر کسی وفد میں سے کوئی چھوٹی عمر کا شخص بڑوں سے پہلے بولنا شروع کر دیتا تو آپؐ اس کو تاکید فرماتے کہ بڑے کو پہلے بولنے دو۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بڑوں کی عزت وتوقیر کی آپؐ نے کس درجے تاکید فرمائی ہے اور اس پر یقیناً اجر وثواب ملتا ہے۔

(۳۹) شعائر اسلام کی تعظیم: وہ تمام چیزیں جو اسلام اور مسلمانوں کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ ان کو شعائر اسلام کہا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم، بیت اللہ شریف، مسجدیں، مقدس مقامات، نماز، اذان وغیرہ۔ ان شعائر کا احترام بھی بہت بڑی نیکی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ.

اور جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ عمل دلوں کے تقویٰ کے سبب سے ہے۔

(۴۰) بچوں پر شفقت: بچوں پر شفقت آنحضرت ﷺ کی سنت ہے جیسا کہ پیچھے گذرا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز پڑھاتے میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں اس بچے کی ماں اپنے بچے کا رونا سن کر پریشانی میں نہ پڑ جائے۔

آنحضرت ﷺ چھوٹے بچوں کو گود میں لیتے۔ انہیں پیار فرماتے اور ان کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں کرتے تھے۔ یہ ساری باتیں سنت ہیں اور اتباع سنت کی

نیت سے یہ سارے کام کرنے میں بہت اجروثواب ہے۔

(۴۱) اذان دینا: اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے اور احادیث میں اذان دینے کی بہت فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر لوگوں کو اذان کے اجر اور فضیلت کا ٹھیک ٹھیک حال معلوم ہو جائے تو ہر شخص اذان دینے کی کوشش کرے اور خواہش مند افراد کی زیادتی کی وجہ سے قرعہ اندازی کرنی پڑ جائے۔

آج کل مسجدوں میں عموماً مؤذن مقرر ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص مسجد کے علاوہ کسی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں تک اذان کی آواز نہیں پہنچی تو وہاں بھی نماز سے پہلے اذان دینا مسنون ہے اور ایسے مواقع پر اذان کی یہ فضیلت ضرور حاصل کرنی چاہیے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن صعصعہؓ کے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا کہ ''میں دیکھتا ہوں کہ تم کو بکریوں اور صحراؤں سے بہت لگاؤ ہے۔ اب جب کبھی تم اپنی بکریوں کے درمیان یا صحرا میں ہو اور نماز کے لیے اذان دو تو بلند آواز سے اذان دیا کرو اس لئے کہ مؤذن کی آواز جہاں تک بھی پہنچتی ہے وہاں کے جنات، انسان اور ہر چیز جو اس آواز کو سنتی ہے وہ قیامت کے دن اذان دینے والے کے حق میں گواہی دے گی یہ کہہ کر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔'' (صحیح بخاری)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اذان دینے کی کتنی بڑی فضیلت ہے اور موقع ملنے پر اس فضیلت کے حصول میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

(۴۲) اذان کا جواب دینا: اذان کا ادب یہ ہے کہ جب اذان ہو رہی ہو تو حتی

الامکان خاموش ہو جانا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے اس کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ اذان کے ہر لفظ کا جواب دینا چاہیے۔ یعنی جو جو الفاظ مؤذن کہتا جائے وہ سننے والے کو بھی کہنے چاہیں۔ البتہ جب مؤذن حَیُّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہے تو ان کلمات کے جواب میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہنا چاہیے۔ اور جب فجر کی نماز میں مؤذن اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ کہے تو اس کے جواب میں صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ کہنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمر و رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب تم اذان سنو تو مؤذن کی طرح تم بھی وہی الفاظ کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو۔ کیوں کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے مقام "وسیلہ" کی دعا کرو کیونکہ وہ جنت کا ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک ہی کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا چنانچہ جو شخص میرے لیے "وسیلہ" کی دعا کرے گا۔ اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔" (صحیح مسلم)

اسی فضیلت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے اذان کے بعد جو دعا تلقین فرمائی۔ اس میں آپ ؐ کے لیے "وسیلہ" کی دعا موجود ہے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ والصَّلاۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ والْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اذان کے بعد یہ دعا پڑھنے والے کو یہ بشارت دی ہے کہ قیامت کے دن اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (بخاری)

اس کے علاوہ اذان کے بعد یہ الفاظ کہنا بھی حدیث سے ثابت ہیں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا.

اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اذان سن کر یہ الفاظ کہے تو اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم)

اذان کا جواب دینے اور اذان کے بعد یہ دعائیں پڑھنے میں کوئی دیر نہیں لگتی، نہ کوئی محنت کرنی پڑتی ہے۔ صرف دھیان دینے اور عادت ڈالنے کی بات ہے۔ اگر ان اذکار کی عادت ڈال لی جائے تو بغیر کسی وقت اور محنت کے انسان کو بہت عظیم اجر و ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اذان کے وقت ان آداب کا پورا خیال رکھنا چاہیے ہاں! کوئی عذر ہو تو اور بات ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کسی جگہ ایک سے زیادہ مسجدوں کی اذانیں یکے بعد دیگرے سنائی دیتی ہوں تو صرف پہلی اذان جو صاف سنائی دے اس کا جواب دینے سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے بعد میں ہونے والی اذانوں کا جواب اگر نہ بھی دیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ (شامی)

(۴۳) تلاوتِ قرآن کریم: قرآن کریم پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے۔ اس کا اصل حق تو یہ ہے کہ اس پر سمجھ کر عمل کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے نوازنے کا ایک ذریعہ قرآن کریم کے

الفاظ کی تلاوت کو بھی قرار دیا ہے۔ یعنی قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت بھی بے انتہا اجر و ثواب کی حامل ہے۔ بعض لوگ نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کو سمجھے بغیر پڑھنے سے کیا حاصل ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو انسانوں کی کتاب پر قیاس کرتے ہیں جن کو بے سمجھے پڑھنا ایک فضول کام سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس کی تعلیمات تو دنیا و آخرت کی فلاح کی ضامن ہیں ہی۔ لیکن اس کے ایک ایک لفظ میں نور ہے اور اس کی محض تلاوت بھی موجب ثواب اور باعث خیر و برکت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ الٓمٓ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ: أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيمٌ حَرْفٌ. (ترمذی)

جو شخص اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھے۔ اس کو ایک نیکی ملے گی اور یہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص صرف الٓمٓ تلاوت کرے تو صرف اتنی تلاوت سے بھی اس کے نامۂ اعمال میں تیس نیکیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ثواب بے سمجھے پڑھنے پر بھی ملتا ہے کیوں کہ الٓمٓ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنیٰ کوئی نہیں جانتا نہ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کا کوئی امکان ہے۔ (کیونکہ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جو متشابہات میں داخل ہیں اور ان کے

معنی کوئی نہیں جانتا) آنحضرت ﷺ نے ان حروف کی مثال دے کر یہ بھی واضح فرما دیا کہ تلاوتِ قرآن کا یہ ثواب معنی سمجھنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ بے سمجھے تلاوت پر بھی یہ ثواب ملتا ہے۔

غرض جب صرف الٓمّٓ پڑھنے پر تیس نیکیاں حاصل ہوئیں تو قرآن کریم کا ایک رکوع یا ایک سورت پڑھنے سے کتنا اجر وثواب حاصل ہوگا؟

اسی لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہر روز صبح کو دوسرے کاموں میں مشغول ہونے سے پہلے قرآن کریم کی کچھ نہ کچھ تلاوت کا معمول بنائے۔ اگر زیادہ نہ پڑھ سکے تو پاؤ پارہ اور اگر اتنا بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم ایک رکوع ہی پڑھ لیا کرے تو ہر روز اس کے نامۂ اعمال میں سینکڑوں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

اسی طرح ہر مسلمان کو چاہیے کہ قرآن کریم کی کچھ سورتیں زبانی یاد کرلے تاکہ جب موقع ملے، قرآن کریم کھولے بغیر بھی وہ زبانی تلاوت کر سکے اور اس طرح چلتے پھرتے بھی اپنے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کر سکے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے جوف میں (یعنی حافظے میں) قرآن کا کچھ حصہ نہ ہو وہ ایک ویران گھر کی طرح ہے۔'' (ترمذی)

(۴۴) **سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کی تلاوت:** قرآن کریم کی تلاوت جس حصے سے بھی ہو، ثواب ہی ثواب ہے لیکن بعض سورتوں کے خاص خاص فضائل آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ مختصر سورتوں میں سب سے زیادہ فضائل سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد) کے بیان کئے گئے ہیں۔ اور بہت سی حدیثوں میں آنحضرت ﷺ نے فضیلت میں سورۂ اخلاص کو ایک تہائی قرآن کے

برابر قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ ''جمع ہو جاؤ' میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔'' کچھ حضرات صحابہؓ جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ کر اندر تشریف لے گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد باہر تشریف لا کر فرمایا: ''میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پڑھوں گا یاد رکھو، یہ سورت (یعنی سورۂ اخلاص) ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔'' (مسلم و ترمذی)

اور حضرت ابولدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی ایک رات میں ایک تہائی قرآن کی تلاوت نہیں کرسکتا؟

صحابہؓ نے عرض کیا کہ ایک شخص ایک رات میں تہائی قرآن کی تلاوت کیسے کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم)

اسی لیے بزرگوں کا معمول ہے کہ مردوں کو ایصال ثواب کے لیے تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں اور اس کا ثواب مردے کو پہنچا دیتے ہیں۔

(۴۵) اچھی طرح وضو کرنا: وضو کو اطمینان کے ساتھ اور سنت کے مطابق آداب کی رعایت کے ساتھ انجام دینا بھی بہت فضیلت کا عمل ہے جس پر احادیث میں بہت اجر و ثواب کے وعدے فرمائے گئے ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ. (صحیح مسلم ونسائی)

جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے تو اس کے جسم سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے تک سے خارج ہو جاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا: ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کن باتوں سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتے اور درجات بلند فرماتے ہیں؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ضرور بتایئے۔

آپؐ نے فرمایا ''نفس کے ناگوار ہونے کے باوجود وضو مکمل طریقے سے کرنا، اور مسجد کی طرف کثرت سے قدم بڑھانا، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ یہ اعمال جہاد کی فضیلت رکھتے ہیں۔'' (مسلم وترمذی)

یعنی جب سرد موسم کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے وضو کرنا دشوار معلوم ہو رہا ہو، اس وقت بھی وضو کو مکمل طریقے سے ادا کرنے کا اتنا ثواب ہے جتنا جہاد میں کسی سرحد پر پہرہ دینے کا ثواب ہوتا ہے اور وضو کو مکمل طریقے سے انجام دینے کا مطلب یہ ہے کہ تمام سنتوں اور آداب کے ساتھ وضو کیا جائے لہٰذا وضو کرنے میں ان تمام آداب کا اہتمام کرنا چاہیے اور وضو کا صحیح طریقہ اچھی طرح سیکھ کر اس پر عمل کرنا چاہیے کہ اس سے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔

(۴۶) مسواک کرنا: آنحضرت ﷺ نے مسواک کرنے کی بہت فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اَلسِّوَاکُ مُطْهِرَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ.

مسواک منہ کی پاکی کا ذریعہ ہے اور پروردگار کی خوشنودی کا۔ (سنن نسائی)

اور حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ الصَّلَاةِ بِالسِّوَاکِ عَلَی الصَّلَاةِ بِغَیْرِ سِوَاکٍ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا. (الترغیب ص ۱۳۱ ج ۱ بحوالہ حاکم واحمد)

مسواک کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز مسواک کے بغیر پڑھی جانے والی نماز پر ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

مسواک کی فضیلت میں بے شمار احادیث آئی ہیں اور یہ آنحضرت ﷺ کی نہایت محبوب سنتوں میں سے ہے۔ جس میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے اور عمل بھی ایسا ہے۔ جس میں کوئی محنت' مشقت یا خرچ نہیں ہے۔ اس لیے اس کے ذریعے انسان بہت آسانی سے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرسکتا ہے۔

(۴۷) وضو کے بعد ذکر: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے۔ پھر یہ کلمات کہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

تو اسکے لیے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ وہ ان میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے۔ (صحیح بخاری)

ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ کلمات کہتے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھالے اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ ان کلمات کے ساتھ **اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ** کا بھی اضافہ کیا جائے۔

(۴۸) تحیۃ الوضوء: وضو خواہ کسی مقصد کے لیے کیا جائے۔ اس کے فوراً بعد دو

رکعتیں تحیۃ الوضوء کی نیت سے پڑھنا بہت فضیلت کا حامل ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ اس کا چہرہ بھی اور دل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لیے جنت لازم ہو جاتی ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تمہیں سب سے زیادہ (ثواب کی) امید ہو کیونکہ میں نے (معراج کے موقع پر) جنت میں اپنے سامنے تمہارے قدموں کی آہٹ سنی ہے۔" حضرت بلالؓ نے عرض کیا۔ "مجھے اپنے جس عمل سے سب سے زیادہ (اللہ کی رحمت کی) امید ہے وہ یہ ہے کہ میں نے دن یا رات کے جس وقت میں بھی کبھی وضو کیا تو اس وضو سے جتنی توفیق ہوئی نماز ضرور پڑھی۔" (بخاری و مسلم)

(۴۹) تحیۃ المسجد: اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ جب کبھی کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعتیں پڑھ لے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ (ترمذی)

اس میں بھی اصل تو یہی ہے کہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی نیت سے مستقل طور پر پڑھی جائیں لیکن اگر فرض یا سنت کا وقت ہے اور اسی فرض یا سنت میں تحیۃ المسجد کی نیت کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ اس نیت کی برکت سے انسان تحیۃ المسجد کے ثواب سے محروم نہیں رہے گا۔

تحیۃ المسجد کا اصل طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں پہنچ کر بیٹھنے سے پہلے ہی یہ رکعتیں پڑھ لی جائیں لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے بیٹھ گیا ہو تب بھی صحیح یہ ہے کہ تحیۃ المسجد

پڑھی جاسکتی ہے۔

اور اگر وقت اتنا تنگ ہو کر تحیۃ المسجد پڑھنے کا موقع نہ ہو تو کم از کم یہ کلمہ پڑھ لے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

بلکہ یہ کلمہ جتنی دیر انسان مسجد میں بیٹھا رہے مسلسل پڑھتے رہنا چاہیے' حدیث میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے اور اس کو جنت کے پھل کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵۰) اعتکاف کی نیت: جب بھی مسجد میں جانا ہو خواہ نماز کے لیے یا کسی اور کام سے' اگر یہ نیت کر لی جائے کہ میں جتنی دیر مسجد میں رہوں گا۔ اعتکاف سے رہوں گا' تو انشاء اللہ اس نیت کی برکت سے نفلی اعتکاف کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

(۵۱) پہلی صف میں نماز پڑھنا: انفرادی نماز کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے کی فضیلت ستائیس گنا زیادہ ہے لیکن جماعت کی نماز میں بھی پہلی صف میں نماز پڑھنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ اتنا زیادہ کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَوْتَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَكَانَتْ قُرْعَةٌ

اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کیا فضیلت ہے تو قرعہ اندازی کرنی پڑے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں"۔ (مسند احمد)

اور حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پہلی صف کے

لئے تین مرتبہ استغفار فرماتے تھے اور دوسری صف کے لئے ایک مرتبہ۔ (نسائی وابن ماجہ)

لہٰذا یوں تو ہر نماز پہلی صف میں پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر ہر نماز میں اس کی پابندی نہ ہو سکے تو جب کبھی موقع ملے، پہلی صف کی فضیلت حاصل کرنے کی فکر اہتمام کے ساتھ کرنی چاہیے لیکن پہلی صف میں اس طرح زبردستی گھسنا جائز نہیں ہے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَرَکَ الصَّفَّ الْاَوَّلَ مَخَافَةَ أَنْ یُؤْذِیَ أَحَدًا اَضْعَفَ اللّٰهُ لَهُ أَجْرَا الصَّفِّ الْأَوَّلِ.

جو شخص اس خوف سے پہلی صف کو چھوڑ دے کہ کسی دوسرے کو تکلیف ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کو پہلی صف کے ثواب سے دوگنا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ (الترغیب ص ۲۸۵ ج ۱ بحوالہ طبرانی وفی اسنادہ ضعف)

(۵۲) صف کے خلا کو پر کرنا: جماعت کے دوران صفوں کو سیدھا رکھنے اور صفوں کے درمیان خلا کو پر کرنے کی بھی بہت تاکید آئی ہے اور اس کی بڑی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ.

جو شخص کسی صف کو ملائے (یعنی اس کے خلا کو پر کرے) اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قرب سے نوازتے ہیں۔ (نسائی)

اور حضرت ابو جحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صف کے کسی خلا کو پر کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرماتے ہیں۔

(ترغیب بحوالہ بزار)

اور عام حالات میں امام کے دائیں جانب کھڑے ہونے میں زیادہ ثواب ہے۔لیکن اگر زیادہ لوگ دائیں جانب کھڑے ہو گئے ہوں اور بائیں جانب کی جگہ خالی ہو تو اس صورت میں بائیں جانب کھڑے ہونے کی دوگنی فضیلت احادیث میں بیان فرمائی گئی ہے۔(ملاحظہ ہو الترغیب للمنذری ص ۲۸۷ ج ۱ بحوالہ ابن خزیمہ)

(۵۳) نمازِ اشراق: نمازِ اشراق ایک نفلی نماز ہے جو طلوعِ آفتاب کے بعد اس وقت پڑھی جاتی ہے جب آفتاب ذرا بلند ہو جائے اور یہ طلوع آفتاب کے تقریباً بارہ منٹ بعد پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ صرف دو رکعتیں ہوتی ہیں لیکن احادیث میں اس نماز کے بے حد فضائل وارد ہوئے ہیں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص ضحیٰ (اشراق) کی دو رکعتوں کی پابندی کر لے۔اس کے (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔“ (ترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ صحابہؓ کو جہاد کی ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ وہ بہت جلد لوٹ آئے اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر آئے، ایک صاحب نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم نے اس سے پہلے کوئی لشکر ایسا نہیں دیکھا جو اتنی جلدی لوٹ کر آیا ہو۔اور اسے اتنا مالِ غنیمت حاصل ہوا ہو، جتنا اس لشکر کو ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ”کیا میں اس شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں جو ان سے بھی جلدی واپس آ جائے اور ان سے بھی زیادہ مال غنیمت لے کر آئے۔ پھر فرمایا کہ ”جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد جائے اور نمازِ فجر ادا کرے پھر اس کے بعد (یعنی طلوع آفتاب کے بعد) نمازِ اشراق

ادا کرے۔ وہ جلدی واپس آیا اور عظیم مال غنیمت لے کر آیا۔

(ترغیب ص ۲۲۷ ج ۱ بحوالہ ابویعلی باسناد صحیح)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیچھے بھی گذر چکی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے جسم میں جو تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ان میں سے ہر ایک کو جہنم سے آزاد کرانے کے لیے ہر انسان کو دن میں کم از کم تین سو ساٹھ نیکیاں کرنی چاہئیں پھر آنحضرت ﷺ نے وہ نیکیاں بھی بیان فرمائیں۔ جن سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ایک مرتبہ سُبحَانَ اللّٰہِ کہنا ایک نیکی ہے' اَلحَمدُ لِلّٰہِ کہنا ایک نیکی ہے' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا ایک نیکی ہے' اللّٰہ اکبر کہنا ایک نیکی ہے' کسی کو نیکی کا حکم دینا ایک نیکی ہے' کسی کو برائی سے منع کرنا ایک نیکی ہے۔ پھر یہ ساری فہرست بیان کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا:

وَیُجزِئُ مِنْ ذٰلِکَ رَکْعَتَانِ یَرْکَعُھُمَا مِنَ الضُّحٰی.

اور ان سب نیکیوں کے بدلے دو رکعتیں بھی کافی ہو سکتی ہیں جو کوئی شخص اشراق کے وقت ادا کرے (صحیح مسلم)

جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دو رکعتیں تین سو ساٹھ نیکیوں کے قائم مقام ہو جاتی ہیں' اشراق میں افضل طریقہ یہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھ کر انسان اسی جگہ بیٹھ کر ذکر کرتا رہے اور طلوع آفتاب کے بعد اشراق پڑھ کر اٹھے۔ حدیث میں اس کا ثواب حج اور عمرے کے برابر بتایا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو گھر آ کر یا کوئی دوسرا کام کر کے بھی اشراق کی رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔

(۵۴) جمعہ کے دن غسل اور خوشبو لگانا: جمعہ کے دن غسل کرنے کی بھی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ غسل کرتے وقت یہ نیت رکھنی چاہیے کہ یہ غسل

جمعہ کی وجہ سے کیا جا رہا ہے نیز غسل کے بعد خوشبو لگانا بھی سنت ہے اور اتباع سنت کی نیت سے اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ وَلَبِسَ أَحْسَنَ ثِيَابِهٖ ثُمَّ خَرَجَ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَسْجِدَ فَيَرْكَعَ مَا بَدَالَهُ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يُصَلِّيَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى (ترغیب بحوالہ مسند احمد)

جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو خوشبو لگائے۔ اور اچھے کپڑے پہنے۔ پھر گھر سے نکل کر مسجد میں آئے۔ وہاں جتنی چاہے رکعتیں پڑھے اور کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ پھر خاموش رہے۔ یہاں تک کہ نماز پوری ہو جائے تو اس کا یہ عمل اس جمعہ سے اگلے جمعے تک (صغیرہ گناہوں کا) کفارہ ہو جاتا ہے۔

اور حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل بالوں کی جڑوں تک سے (صغیرہ) گناہوں کو کھینچ نکالتا ہے۔ (طبرانی)

نیز جمعہ کے دن غسل کرنے اور خوشبو لگانے کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو مسجد کی طرف جانا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پہلے آنے والوں کے نام لکھتے رہتے ہیں، جو لوگ سب سے پہلے مسجد جائیں ان کو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا ایک اونٹ کی قربانی کا، پھر جو لوگ دوسرے نمبر پر ہوں ان کو گائے کی قربانی کا۔ پھر جو تیسرے نمبر پر ہوں ان کو مینڈھے

کی قربانی کا' پھر جو چوتھے نمبر پر آئیں ان کو مرغی کے برابر صدقے کا اور جو آخر میں آئیں' ان کو انڈے کے صدقے کا' لیکن جب امام خطبے کے لیے نکل آئے تو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

(۵۵) روزے میں سحری کھانا: روزے خواہ رمضان کے ہوں یا نفلی' دونوں عظیم عبادت ہیں اور ان میں سحری کھانا مستقل کارِ ثواب ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: سحری کیا کرو کیوں کہ سحری میں برکت ہے۔'' (بخاری)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلاَئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الْمُتَسَحِّرِیْنَ.

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔

(ترغیب بحوالہ ابن حبان وطبرانی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلسُّحُوْرُ کُلُّہٗ بَرَکَۃٌ فَلاَتَدَعُوْہُ وَلَوْ اَنْ یَّجْرَعَ اَحَدُکُمْ جَرْعَۃً مِنْ مَاءٍ' فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَ مَلاَئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الْمُتَسَحِّرِیْنَ (ایضاً بحوالہ مسند احمد واسنادہ قوی)

سحری تمام تر برکت ہے۔ لہٰذا اس کو نہ چھوڑو خواہ تم میں سے کوئی ایک گھونٹ پانی ہی پی لے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کرنے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔

اور سحری میں بھی بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں کی جائے۔

(۵۶) افطار جلدی کرنا: روزے میں جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو اس کے بعد افطار میں جلدی کرنی چاہئے۔ بلا عذر دیر نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''لوگوں میں اس وقت تک خیر رہے گی۔ جب تک وہ افطار میں جلدی کریں گے۔'' (بخاری و مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کو اپنے وہ بندے بہت محبوب ہیں جو جلدی افطار کرتے ہیں۔ (مسند احمد و ترمذی)

(۵۷) روزہ دار کو افطار کرانا: کسی روزہ دار کو افطار کرانا بھی بہت ثواب کا عمل ہے۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ غَيْرَ أَنَّهُ لَايُنْقَصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْءٌ. (نسائی و ترمذی)

جو شخص کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرائے تو اس کو روزہ دار کے جتنا اجر ملے گا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص رمضان میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو وہ اس کے گناہوں کی مغفرت اور جہنم سے اس کی گردن کی آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے روزے جتنا اجر ملے گا۔ جب کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ ''صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ''ہم میں سے ہر شخص کے پاس اتنا نہیں ہوتا جس سے وہ

روزہ دار کو روزہ افطار کرائے اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائیں گے جو کسی روزہ دار کو ایک کھجور سے یا پانی سے یا دودھ کے گھونٹ سے افطار کرائے۔" (صحیح ابن خزیمہ)

(۵۸) حاجی یا مجاہد کے گھر کی خبر گیری: "حج" اور "جہاد" بڑی عظیم عبادتیں ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنی عدم استطاعت کی وجہ سے یہ عظیم عبادتیں خود انجام نہ دے سکیں۔ ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ان عبادتوں کے ثواب میں حصہ دار بننے کا بہترین راستہ پیدا فرما دیا ہے، اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مجاہد کو جہاد کی تیاری میں مدد دے یا کسی حاجی کے سفر حج کی تیاری میں مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی جہاد اور حج کے ثواب میں حصہ دار بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جہاد یا حج پر گیا ہوا ہے تو اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کی خبر گیری، ان کی ضروریات پوری کر دینا یہ بھی ایسا عمل ہے جس سے انسان جہاد یا حج کے ثواب میں حصہ دار ہو جاتا ہے۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا، أَوْجَهَّزَ حَاجًّا، أَوْ خَلَفَهُ فِي أَهْلِهِ، أو فَطَّرَ صَائِمًا، كَانَ لَهُ مِثْلُ أُجُوْرِهِمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. (سنن نسائی)

جو شخص کسی مجاہد کو (جہاد کے لیے) تیار کرے یا کسی حاجی کو (حج کے لیے) تیار کرے (یعنی اس کے اسباب فراہم کرنے میں مدد دے) یا اس کے پیچھے اس کے گھر کی دیکھ بھال کرے یا کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کو ان سب لوگوں کے جتنا ثواب ملتا ہے۔ بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو۔"

(۵۹) **شہادت کی دعا کرنا:** اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونا انسان کی عظیم ترین سعادت ہے اور جس طرح شہادت کا بے حساب اجر وثواب ہے اسی طرح اس کی تمنا اور دعا کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ نے وہی اجر وثواب رکھا ہے جو شہادت پر ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَ اِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ. (صحیح مسلم)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنے شہید ہونے کی سچے دل سے دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے مرتبے تک پہنچا دیتے ہیں۔ خواہ وہ شخص اپنے بستر پر ہی مرا ہو۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الشَّهَادَةَ صَادِقًا اُعْطِيَهَا وَلَوْلَمْ تُصِبْهُ.

جو شخص سچے دل سے شہادت کا طلب گار ہو اس کو شہادت دے دی جاتی ہے خواہ بظاہر وہ اس کو نہ ملی ہو (یعنی وہ اپنے بستر پر مرے) (صحیح مسلم)

(۶۰) **صبح سویرے کام شروع کرنا:** اپنے دن کا کام صبح سویرے شروع کرنے کی بھی حدیث میں فضیلت آئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا.

یا اللہ! میری امت کے لیے اس کے سویرے کے کاموں میں برکت عطا

فرمایا۔ (ترمذی)

اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ نے فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے سونے سے منع فرمایا اور اس کو بے برکتی کا سبب قرار دیا۔ (ابن ماجہ)

ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فجر کے متصل بعد سوتے ہوئے دیکھا تو ان کو جگایا اور سونے سے منع فرمایا۔ (ترغیب ص ۱۹۱ ج ۳ بحوالہ بیہقی)

(۶۱) بازار میں ذکر اللہ: جب انسان اپنے کاروبار کے لیے بازار میں جائے تو اس وقت تھوڑے تھوڑے وقفے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بہت اجر و ثواب کا کام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس جگہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ایسا ہے جیسے جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگتے ہوئے انسانوں کے درمیان کوئی شخص ثابت قدم رہے۔ (ترغیب ص ۱۹۳ ج ۳ بحوالہ بزار و طبرانی)

حضرت ابو قلابہؒ مشہور تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بازار میں دو آدمیوں کی ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ "آؤ ایسے وقت جب لوگ غفلت میں ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔" یہ سن کر دوسرے نے بھی استغفار کیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک کا انتقال ہو گیا، اور دوسرے شخص نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ "جس شام ہم دونوں بازار میں ملے تھے۔ اس شام اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کی مغفرت فرما دی تھی۔ (ترغیب ص ۱۹۲ ج ۳ بحوالہ ابن ابی الدنیا)

یوں تو بازار میں جس ذکر کی بھی توفیق ہو جائے، خیر ہی خیر ہے۔ لیکن خاص طور پر بعض اذکار کی فضیلت حدیث میں آئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بازار میں داخل ہو کر یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہزار ہزار نیکیاں لکھتے ہیں۔ ہزار ہزار (صغیرہ) گناہ معاف فرماتے ہیں اور ہزار ہزار درجے بڑھاتے ہیں۔ (ترمذی)

ان کلمات کو خاص طور پر یاد کر لینا چاہیے اور بازار میں رہنے کے دوران ان کو بار بار پڑھتے رہنا چاہیے۔

(۶۲) بیچی ہوئی چیز کا واپس لے لینا: بعض اوقات ایک شخص کسی سے کوئی چیز خرید لیتا ہے۔ لیکن بعد میں کسی وجہ سے وہ واپس کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں بیچنے والے کے ذمے یہ واجب تو نہیں ہے کہ وہ ضرور بیچی ہوئی چیز واپس لینا منظور کرے۔ لیکن اگر وہ خریدار کی پشیمانی یا اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے واپسی منظور کر لے تو حدیث میں اس کی بھی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا بَیْعَتَهٗ اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

جو شخص کسی مسلمان سے کی ہوئی بیع کو واپس لے لے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف فرمائیں گے۔ (ابوداؤد)

(۶۳) کسی ضرورت مند کو قرض دینا: کسی ضرورت مند شخص کو قرض دینے کا بھی بہت ثواب ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہر قرض صدقہ ہے۔" (بیہقی وطبرانی)

بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضرورت مند کو قرض دینے کا ثواب صدقے سے بھی زیادہ ہے۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی وبیہقی)

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض میں عموماً اتنی رقم دی جاتی ہے جس کے صدقہ کرنے کی نیت نہیں ہوتی اور وہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو ضرورت مند ہوتا ہے لیکن لوگوں سے مانگتا نہیں لہٰذا اس کی ضرورت پوری کرنے میں اجر وثواب بھی زیادہ ہے۔

(٦٤) تنگدست مقروض کو مہلت دینا: کسی تنگدست مقروض کو قرضے کی ادائیگی میں مہلت دینے کی قرآن وحدیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ

اور اگر مقروض تنگدست ہو تو خوش حالی تک اسے مہلت دی جائے۔

(سورۃ البقرہ)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَهٗ أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ.

جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اس کے قرض میں کمی کردے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسے دن اپنے عرش کے سائے میں رکھیں گے جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ (ترمذی وقال: حسن صحیح)

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "پچھلی امتوں میں سے ایک شخص کی روح فرشتوں نے قبض کی، اس سے

پوچھا گیا کہ کیا تم نے کوئی بھلائی کا عمل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں کو حکم دیا ہوا تھا کہ وہ تنگ دست کو مہلت دے دیا کریں اور جو شخص خوش حال ہو اس سے بھی چشم پوشی کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرشتوں سے فرمایا کہ تم بھی اس شخص سے چشم پوشی کرو۔'' اور اس طرح اس کی مغفرت ہوگئی۔ (بخاری و مسلم)

(۶۵) تجارت میں سچ بولنا: تجارت کو بظاہر دنیاداری کا کام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر تجارت اس نیت سے کی جائے کہ اس کے ذریعہ رزق حلال حاصل کیا جائے گا' اور اس سے اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کیے جائیں گے تو تجارت کا سارا کام اجر و ثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے بشرطیکہ اس میں ناجائز کاموں سے پرہیز کیا جائے چنانچہ تجارت میں سچائی اور امانت کو اپنا معمول بنانے والے کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (ترمذی)

جو تاجر سچا اور امانت دار ہو وہ قیامت کے دن انبیاء' صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(۶۶) درخت لگانا: مناسب جگہ پر درخت یا پودے لگانا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا' فَیَأْکُلُ مِنْهُ طَیْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اِلَّا کَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ.

جو مسلمان کوئی پودا لگاتا یا کھیتی بوتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ یا انسان کھاتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

یعنی جو کوئی انسان یا حیوان اس درخت یا کھیتی سے فائدہ اٹھائے گا۔ اس کا ثواب لگانے والے کو مسلسل ملتا رہے گا' اور یہ اس کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے گا۔

(٦٧) جانوروں کے ساتھ حسن سلوک: اسلام نے انسان کی طرح جانوروں کے بھی حقوق رکھے ہیں' جو جانور موذی نہیں ہیں ان کو بلاوجہ تکلیف پہنچانا منع ہے۔ یہاں تک کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ ان کو بھی ایسے طریقے سے ذبح کرنے کی تاکید کی گئی ہے جس سے ان کو کم سے کم تکلیف پہنچے۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ذبح سے پہلے چھری کو تیز کر لیا جائے اور ذبح ہونے والے جانور کو جتنی زیادہ سے زیادہ راحت پہنچائی جا سکے' پہنچائی جائے۔ (ترمذی)

چنانچہ جانوروں پر ترس کھانا' ان کی پرورش کرنا اور ان کو آرام پہنچانا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کا بہت اجر و ثواب ہے۔

آنحضرت ﷺ نے پچھلی امتوں کے ایک شخص کا واقعہ سنایا کہ اسے سفر کے دوران شدید پیاس لگی۔ تلاش کرنے پر اسے ایک کنواں نظر آیا جس پر ڈول نہیں تھا وہ کنویں کے اندر اترا اور پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی۔ جب وہ پانی پی کر چلا تو اسے ایک کتا نظر آیا جو پیاس کی شدت سے مٹی چاٹ رہا تھا۔ اسے کتے پر ترس آیا کہ اس کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہوئی ہے۔ جیسی مجھے لگی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے پاؤں سے چمڑے کا موزہ اتارا اور کنویں میں اتار کر اس موزے میں پانی بھرا اور موزے کو منہ میں لٹکا کر کنویں سے باہر آ گیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرما دی (بخاری و مسلم)

(۶۸) موذی جانوروں کو ہلاک کرنا: البتہ جو جانور موذی ہوں اوران سے انسانوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوان کو ہلاک کرنا بھی نیک عمل ہے جس پر اجر وثواب ملتا ہے۔ مثلاً سانپ' بچھو کو مارنے پر بھی ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خطبہ دے رہے تھے کہ دیوار پر چلتا ہوا ایک سانپ نظر آیا۔ آپ نے خطبہ بیچ میں روکا اور ایک چھڑی سے سانپ کو مار کر ہلاک کر دیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَنْ قَتَلَ حَيَّةً اَوْعَقْرَبًا فَكَاَنَّمَا قَتَلَ مُشْرِكًا حَلَّ دَمُهٗ.

جو شخص کسی سانپ یا بچھو کو ہلاک کرے تو اس کا یہ عمل ایسا ہے جیسے کوئی شخص اس مشرک کو قتل کرے جس کا خون حلال ہو۔

(ترغیب ص ۳۰۲ ج ۴ بحوالہ بزار)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے چھپکلی کو بھی مارنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی چھپکلی کو پہلی ضرب میں ہلاک کرے اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی اور جو شخص اسے دوسری ضرب میں ہلاک کرے اسے اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی (اس مرتبہ آپؐ نے پہلے سے کم نیکیاں بیان فرمائیں) اور جو شخص اسے تیسری ضرب میں ہلاک کرے اسے اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی۔ اور اس مرتبہ دوسری سے بھی کم نیکیاں بیان فرمائیں۔ (صحیح مسلم)

اسی طرح دوسرے موذی جانور جن سے انسانوں کو واقعی خطرہ ہو ان کو مارنے پر بھی ثواب ملتا ہے۔

(۶۹) زبان کو قابو میں رکھنا: زبان اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ہے۔ اس کے ذریعے انسان چاہے تو اپنی آخرت کے لیے نیکیوں کے خزانے جمع کر سکتا ہے اور اگر

چاہے تو اپنی آخرت برباد کرسکتا ہے۔ اس لیے حدیث میں زبان کو قابو میں رکھنے اور کم گوئی کی بہت فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنے وقت پر نماز پڑھنا۔'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟'' آپؐ نے فرمایا:

أن يَّسْلَمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِکَ.

یہ بات کہ لوگ تمہاری زبان سے محفوظ رہیں۔ (ترغیب ص ۳۰۲ ج ۴ بحوالہ طبرانی باسناد صحیح)

یعنی زبان کو دوسروں کی دلآزاری سے، غیبت سے، دھوکہ دہی سے روکو۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ''نجات کا طریقہ کیا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا:

أَمْسِکْ عَلَيْکَ لِسَانَکَ وَلْيَسَعَکَ بَيْتُکَ وَابْکِ عَلٰی خَطِيْئَتِکَ.

اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور تمہارا گھر تمہارے لیے کافی ہو جائے اور اپنے گناہ پر روؤ۔ (ابوداؤد و ترمذی)

گھر کے کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ بلاضرورت گھر سے باہر نکل کر فتنے میں مبتلا نہ ہو اور گناہ پر رونے سے مراد گناہ پر اظہار ندامت اور توبہ کرنا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''کیا میں تمہیں دو ایسے عمل نہ بتاؤں جن کا بوجھ انسان پر بہت ہلکا لیکن میزانِ عمل میں بہت بھاری ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

ضرور بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا:

عَلَیْکَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ، وَطُوْلِ الصَّمْتِ.

خوش اخلاقی، اور کثرت سے خاموش رہنے کی پابندی کرلو۔

(ترغیب ص۳۱۲ ج۴ بحوالہ طبرانی وابویعلی ورجالہ ثقات)

ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت ابولدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بات ارشاد فرمائی۔ (ایضاً بحوالہ ابوالشیخ)

(۷۰) فضول باتوں اور کاموں سے بچنا: جس کام میں دنیا یا آخرت کا کوئی فائدہ نہ ہو وہ فضول ہے اور قرآن وحدیث میں فضول باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی بڑی تاکید اور ترغیب آئی ہے۔ قرآن کریم نے فلاح پانے والے مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ. (سورۃ المؤمنون)

اور وہ لوگ جو لغو (فضول) چیزوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ.

انسان کے اچھا مسلمان ہونے کا ایک حصہ یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔ (ترمذی)

لہٰذا فضول بحثوں، بے فائدہ کاموں اور بے کار مشاغل سے پرہیز کرنے کا اہتمام کرنا مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

(۷۱) تا (۷۷) چھ جامع نیکیاں: ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے چھ

ایسے اعمال بتائے جن کی پابندی کرنے والے کے لیے آپؐ نے جنت کی ضمانت دی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّةَ: اُدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ، وَ اَوْفُوْا اِذَا عَاهَدْتُّمْ، وَاصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ، وَ غُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ، وَ کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ.

مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دے دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے تو اسے ادا کرو۔ جب کسی سے کوئی معاہدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب بات کرو تو سچ بولو، اور اپنی شرمگاہوں کی (ناجائز کاموں سے) حفاظت کرو اور اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھوں کو (دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور گناہ کرنے سے) روکو۔" (شعب الایمان للبیہقی ص ۳۲۰ ج ۴ حدیث ۵۲۵۶)

(۷۸) دائیں طرف سے شروع کرنا: اچھے کاموں کی ابتدا دائیں طرف سے کرنا بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ عمل ہے جس پر ثواب کی امید ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں دائیں سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے وضو میں بھی، کنگھی کرنے میں بھی اور جوتا پہننے میں بھی۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا لَبِسْتُمْ وَ اِذَا تَوَضَّاْتُمْ فَابْدَءُ وْ ابِاَیَامِنِکُمْ.

جب تم لباس پہنو اور وضو کرو تو داہنی طرف سے شروع کرو۔

(ابوداؤد و ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَأْ بِالْیَمِیْنِ، وَ اِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَأْ بِالشِّمَالِ۔ (بخاری و مسلم)

جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں طرف سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں طرف سے شروع کرے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا اور بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے۔ (صحیح مسلم)

اگر کوئی چیز تقسیم کرنی ہو تو بھی دائیں طرف سے تقسیم شروع کرنی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کا معمول یہی تھا۔

بیت الخلاء میں جاتے وقت بایاں پاؤں پہلے داخل کرنا چاہیے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں پہلے نکالنا چاہیے اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اس کے برعکس دایاں پاؤں پہلے داخل کرنا چاہیے اور بایاں پاؤں پہلے نکالنا چاہیے۔ سنت کی اتباع کی نیت سے انشاء اللہ یہ تمام کام باعث اجر و ثواب ہوں گے۔

یہ انتہائی آسان اعمال ہیں اور ذرا سی توجہ اور عادت ڈالنے سے ان کے ذریعے اتباع سنت کا نور حاصل ہو جاتا ہے بچوں کو بھی شروع سے ان باتوں کا عادی بنانا چاہیے۔

(۷۹) گرے ہوئے لقمے کو صاف کر کے کھا لینا: آنحضرت ﷺ نے اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ اگر کھانا کھاتے وقت کوئی نوالہ زمین پر گر جائے تو اسے اٹھا کر جو مٹی وغیرہ لگ گئی ہو اسے صاف کر کے اور ضرورت ہو تو دھو کر کھا لینا چاہیے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''جب تم میں سے کسی سے لقمہ گر جائے تو جو ناپسندیدہ چیز اس پر لگ گئی ہو اسے دور کر کے اسے کھا لے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے' پھر فارغ ہونے پر اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔'' (صحیح مسلم)

اس حدیث کی رو سے اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری شیطانی عمل ہے اور اٹھا کر کھا لینے میں رزق کی قدردانی ہے۔ چنانچہ ان اعمال پر انشاء اللہ ثواب ملے گا۔ لہٰذا ان اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس سلسلے میں نام نہاد شرم سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ہاں اگر لقمہ اس طرح گر جائے کہ اسے صاف کرنا ممکن نہ ہو تو دوسری بات ہے۔

(۸۰) چھینک آنے پر حمد اور اس کا جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں اور جمائی کو ناپسند پس جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ'' کہے اور جو شخص اس کو سنے اس پر پہلے شخص کا حق ہے کہ وہ ''یَرْحَمُکَ اللّٰہ'' کہے۔ (صحیح بخاری)

یہ اسلامی تہذیب کے وہ آداب ہیں جن کا ہر مسلمان عادی ہوا کرتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اب لوگ ان چیزوں سے بھی نا آشنا ہوتے جا رہے ہیں۔ ان آداب کو پھر سے زندہ کرنے اور ان کو رواج دینے کی ضرورت ہے۔

(۸۱) اللہ تعالیٰ کا خوب وخشیت: للہ تعالیٰ کی عظمت کا حق یہ ہے کہ اس کی ناراضی سے انسان ڈرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا خوف وہ عمل ہے جس کی قرآن کریم اور احادیث میں جابجا تاکید کی گئی ہے' اور اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔
آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں اس درخت کے سوکھے پتے گرنے لگے اور درخت پر صرف سبز پتے رہ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اس درخت سے کیا مثال نکلتی ہے؟'' لوگوں نے کہا کہ ''اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں'' آپؐ نے فرمایا کہ ''اس کی مثال اس مؤمن کی سی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی خشیت سے جھرجھری آجائے' تو اس کے گناہ گر جاتے ہیں' اور نیکیاں رہ جاتی ہیں۔ الترغیب ص ۲۲۷ ج ۵ بحوالہ بیہقی)

اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت دل میں پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا خیال دل میں جمایا جائے۔ پچھلی امتوں کے انجام کو سوچا جائے اور قرآن و حدیث میں نافرمانوں کے لیے جو عذاب مذکور ہے اس کا تصور کیا جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت دل میں پیدا ہوگا اور اس کے نتیجے میں گناہوں' بدعنوانیوں اور ظلم وزیادتی پر انسان کی جرأت کا خاتمہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں ''تقویٰ'' حاصل ہو گا جو تمام نیکیوں کی بنیاد اور دنیا و آخرت میں انسان کی اصلاح وفلاح کا واحد راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نعمت عطا فرمائیں۔ آمین۔

(۸۲) اللہ تعالیٰ سے امید اور حسن ظن: اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کے ساتھ اس کی رحمت سے اپنے لیے بھلائی کی امید رکھنا بھی بہت عظیم عمل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ عِبَادَةِ اللّٰهِ. (ترمذی و حاکم)

(اللہ تعالیٰ سے) اچھا گمان رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی اچھی عبادت ہے۔

اور ایک حدیث قدسی میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَ أَنَا مَعَهٗ حَيْثُ يَذْكُرُنِيْ۔

میرا بندہ مجھ سے جو گمان رکھتا ہے۔ میں اس کے مطابق ہوں اور جہاں وہ مجھے یاد کرے میں اس کے ساتھ ہوں۔ (بخاری و مسلم)

غرض قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اچھی امید رکھنے کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گذارنے کی کوشش میں لگا رہے۔ اور جہاں اس کوشش کے باوجود غلطیاں اور کوتاہیاں ہو جائیں تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے لیکن اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے بالکل غافل ہو اپنی اصلاح کی مطلق فکر نہ کرے اور اپنے آپ کو بے لگام نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کے لیے آزاد چھوڑ دے اور اس غفلت اور بے فکری کے باوجود یہ آرزوئیں باندھے کہ خود بخود مغفرت ہو جائے گی تو ایسے شخص کی حدیث میں سخت مذمت کی گئی ہے۔

صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کے ساتھ انسان اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اس کے ساتھ حسن ظن اور اس کی رحمت کی امید دونوں باتوں کو اس طرح جمع کرے کہ "بیم و رجا" کی ملی جلی کیفیت اس پر طاری رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک نوجوان

کے پاس تشریف لے گئے جو بستر مرگ پر تھا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ ''تم کیا محسوس کرتے ہو؟'' اس نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ سے بہت امید ہے۔ لیکن ساتھ ہی اپنے گناہوں کا ڈر بھی ہے۔'' آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس مؤمن کے دل میں اس جیسے موقع پر یہ دو باتیں جمع ہوں اللہ تعالیٰ اس کی امید پوری فرما دیتے ہیں' اور اسے اس کے خوف سے مامون فرما دیتے ہیں۔'' (ترمذی)